مین پڑھائی جاتی ہین، بہرحال مجموعہ بچون کی مناسبت سے اچھا اور ان کے دکھانے کے لایق ہے، حجم ۴۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ اور بچون کے مناسب ہے، قیمت ۴ر، پتہ:- حالی بک ڈپو پانی پت،

**سوانحعمری مولوی عبداللہ الغزنوی**، مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی مرحوم اور مولوی غلام رسول صاحب قلعوی مرحوم نے ایک ایک رسالہ مین مولانا عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم کے سوانح حیات مرتب کئے تھے، اب یہ دونون رسالے یکجا کرکے اردو مین شایع کئے گئے ہین، مولانا عبداللہ غزنوی ایک مشہور باخدا، متبع سنت اور نمونۂ سلف عالم تھے، ان کی سیرت مسلمانون کے لئے مفید ہوگی، اور آخر مین مولانا کے خطوط بھی منسلک کردئے گئے ہین، رسالہ کی اردو بہت ہی مغلق ہے اگر موجودہ طرز کی زبان ہوتی تو مفید ہوتا، حجم ۱۱۳ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت [illegible] پتہ:- جناب عبدالحمید صاحب تاجر کتب مسجد چینیانوالی لاہور،

**الہامی افسانے**، آقای مرتضیٰ احمدخان محمدزئی درانی، اسسٹنٹ اڈیٹر روزنامۂ انقلاب لاہور نے قرآن پاک کے قصص کو اپنے الفاظ مین اور موثر پیرایہ مین بیان کیا ہے، اس حصہ مین جو سلسلہ کا پہلا حصہ ہے، دس قصے ہین جنمین ہابیل قابیل، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ، ہاروت وماروت، حضرت موسیٰؑ، اور ملکۂ سبا کے قصے لکھے گئے ہین، قصون مین ادبی افسانون کی شان بھی پیدا کی گئی ہے، تاہم واقعات کی صداقت اور تقدس مین فرق نہین آنے دیا گیا، لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے، تقطیع چھوٹی ۱۴۹ صفحے، قیمت عہ، پتہ:- مصنف کے پتہ سے طلب کیجئے،

**تحریک بہائیت پر ایک نظر**، آج کل برما مین بہائی تحریک کی تبلیغ کی جارہی ہے، اس کے جواب مین مسلمانون کا ایک طبقہ بھی سرگرم عمل ہے، جو وقتاً فوقتاً ان کی تردید مین رسالے شایع کرتا رہتا ہے، زیر تبصرہ رسالہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کو مولوی موسیٰ ابراہیم صاحب آیت نے مرتب کیا ہے، اس مین بہائیت اور اسلام مین تناقض دکھا کر بہائیون کے داخلی اختلافات پر روشنی ڈالی گئی ہے، حجم ۷۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، جناب مرتب سے مغل اسٹریٹ رنگون کے پتہ سے مفت طلب کیا جاسکتا ہے،

"ر"

مجلد بست ویکم | ماہ شعبان ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۸ء | عدد ۲

مضامین

# شذرات

۲۰ جنوری ۱۹۲۸ء کو دار المصنفین کی مجلس کارکن کا جلسہ ہوا جسمیں مولانا حمید الدین صاحب بی اے، مولوی عبد الماجد صاحب بی اے، دریابادی، پروفیسر عبد الباری صاحب ندوی، مولوی مسعود علی صاحب ندوی اور سید سلیمان ندوی نے شرکت کی، گذشتہ سال کا تمام حساب و کتاب پیش ہوا، اور نئے سال کا تخمینہ منظور ہوا، گذشتہ سال کی روداد مجلس انتظامی کے ارکان کی خدمت میں ۱۰ فروری ۱۹۲۸ء کو بھیجدی گئی،

—— ٭ ——

۱۹۲۸ء میں چھپنے کے لئے چار نئی کتابیں منظور ہوئیں، جن میں سے ایک قاضی صاعد اندلسی کی طبقات الامم ہے، یہ عربی زبان میں اپنے زمانہ تک کی تمام متمدن قوموں کی علمی تاریخ ہے، قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی نے اردو میں اسکا نہایت سلیس اور صاف ترجمہ کیا ہے، حاشیوں پر ضروری معلومات دوسری کتابوں سے فراہم کئے ہیں، مسلمانوں کی ابتدائی صدیوں کی یہ علمی تاریخ بیحد قابل قدر ہے، اور نہایت جامعیت کیساتھ لکھی گئی ہے، شاید کل کتاب دو ڈھائی سو صفحوں میں ہو،

—— ٭ ——

دوسری کتاب مہاجرین رضی اللہ عنہم کی سیرت کی دوسری جلد ہوگی جس میں چاروں خلفاءؓ کے علاوہ بقیہ عشرہ مبشرہؓ، اور اکابر مہاجرینؓ کے احوال و سوانح اور فضائل و مناقب ہوں گے، اور اسی کیساتھ اُن کے فضل و کمال و اخلاق و آداب کی تفصیل ہوگی، تیسری اور چوتھی کتاب تاریخ علوم عرب کی دو جلدیں ہوں گی، یہ آخری کتاب مشہور مستشرق ہوارتھ کی



ہسٹری آف عربک لٹریچر کا ترجمہ ہے، اس موضوع پر یورپین مستشرقین نے جتنی کتابیں لکھی ہیں، اُن میں اُسکا اچھا خاصہ درجہ ہے، موقع ملے تو شاید اور کوئی کتاب بھی چھپ سکے،

—— ٭ ——

ہندوستان کی مشہور عمارت تاج کو جن معماروں نے بنایا تھا، اُن میں تین رومی (ترک) اُستادوں کے نام مصنف تفریح العمارات نے لکھے ہیں، یعنی استاد عیسٰے نقشہ نویس، اسمٰعیل خاں گنبد ساز، محمد خاں خوشنویس، مصنف نے ان تینوں کو روم کا باشندہ لکھا ہے، اُس زمانہ کی اصطلاح میں روم سے ترکی مراد ہوتا تھا،

—— ٭ ——

آج کل جرمنی میں ایک ترک نوجوان شہاب الدین آفندی جو مولانائے روم کے خاندان سے ہیں اور تحصیل علم میں مصروف ہیں، اُنھوں نے یہ ارادہ کیا ہے، کہ اپنے ہموطن نادرہ روزگار نقشہ نویس و ہندس استاد عیسٰی اور اُنکے رفیقوں کے حالات قلمبند کریں، اسلئے اس بارہ میں اُنھوں نے دار المصنفین کیطرف رجوع کیا ہے، اور اُسکے ساتھ ہی اُن کے ایک ہندوستانی طالب علم دوست سلیم حسن صاحب چاہتے ہیں کہ اس باکمال کے حالات کے جمع کرنے میں ہندوستان کے باخبر اہل علم اس نوجوان ترک کی امداد کریں، سلیم حسن صاحب لکھتے ہیں کہ اُن کو یاد آتا ہے کہ چند سال ہوئے کہ اخبار زمیندار کے کسی پرچہ میں اُنھوں نے استاد عیسٰی کی قبر کے متعلق کچھ پڑھا تھا

—— ٭ ——

استاد عیسٰی کے متعلق شہاب الدین آفندی کے حسب ذیل سوالات ہیں، استاد عیسٰے کا سال وفات، اُس کی قبر کس زمانہ میں اُس نے شہرت پائی، اُس کی بنوائی ہوئی عمارتوں کی فہرست، اُن کے نقشے، اُس کی قبر کا کتبہ، اُسکا فوٹو، اُسکے رفیق اسمٰعیل رومی کے حالات، ہمارے رسالہ کے ناظرین ان معلومات کے فراہم کرنے میں اگر ہماری مدد کریں تو زہے عنایت،

—— ٭ ——

بغداد سے دو برس سے ایک عربی رسالہ المرشد نام شیعہ فرقہ کی جانب سے عراق کے مشہور روشنخیال شیعہ عالم سید ہبۃ الدین شہرستانی کے زیر نگرانی شائع ہوتا ہے، اور دوسرے شیعہ علما اور بعض تعلیمیافتہ شیعہ عراقی اس میں مضامین لکھتے ہیں، رسالہ مذہبی اور علمی ہے، اور اسمیں تطبیق معقول و منقول، اور مذہبی مسائل کو سائنس کی نئی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کیجاتی ہے کبھی کبھی جدید تفسیر کے اجزا بھی ہوتے ہیں، مشاہیر شیعہ سادات کے سوانح بھی اسمیں خاص طور سے جگہ پاتے ہیں، باایں ہمہ تعصب، تنگدلی، فرقہ پروری کے ہر قسم کے جذبات سے خالی ہے، اور شیعیت کے بجائے اسلام کے محاسن کی اشاعت اور اُسپر سے اعتراضات کی مدافعت اس کا مقصد ہے، ہم اسکو دیکھکر جی چاہتا ہے کہ کاش ہمارے ملک کے علما بھی اسدرجہ بلند نظر، کشادہ دل، اور عاقبت اندیش ہوتے، اور اسلام کی خاطر فرقہ پروری اور عصبیت کے مدفون جذبات کو دوبارہ ملک میں پھیلانے کی کوشش نہ کرتے، ہمیں معلوم ہے کہ ہماری ان چند سطروں کا جواب ہمیں کیا ملے گا؟ تاہم سچی بات کا لکھنا ہمارا فرض ہے، دوستو! یہ جمل و صفین کا عہد نہیں، بدر و حنین کا زمانہ ہے، آج شیعیت و سنیت نہیں، اسلام خطرہ میں ہے،

المرشد کی قیمت صہ سالانہ ہے، اور پتہ، پوسٹ بکس نمبر ۳ بغداد ہے۔

---

مشہور عربی شاعر متنبی کے وہ اشعار جو اسکے عام اور متداول دیوان میں شامل نہیں، مولانا عبد العزیز میمن نے اسکے قلمی دیوان کے مختلف نسخوں سے جنمیں سب سے اہم نسخہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی کے کتب خانہ کا ہے، چالیس سے کچھ اوپر قطعے اور اشعار یکجا کئے ہیں، اور ان کو نواب صاحب ممدوح نے اپنے صرف سے مصر کے ایک مطبع میں چھپوایا ہے، اُس سے زیادہ نوازش اُنھوں نے یہ کی ہے کہ اسکے تمام نسخے ممدوح نے دار المصنفین کو مرحمت فرمادیا ہے، اس رسالہ کا نام "زیادات دیوان شعر المتنبی" ہے، ۴۴ صفحے ہیں، ۸ قیمت ہے

---

ہمارے دوست اور دار المصنفین کے رکن انتظامی پروفیسر نواب علی صاحب، ایم اے، (بڑودہ) کی ایک



مشہور تصنیف تاریخ صحف سماوی ہے، جسمیں تمام آسمانی صحیفوں کا انہوں نے موازنہ اور مقابلہ کیا ہے، موصوف نے از راہ کرم فرمائی اس کتاب کے تمامتر حقوق دار المصنفین کو عطا کر دئے ہیں،

---

ہم نے اپنی تصنیف سیرۃ عائشہؓ میں زیوروں پر زکوٰۃ کے مختلف فیہ مسئلہ کا ذکر کیا تھا، اور اُس میں حضرت عائشہؓ کی رائے کو جو احناف کے خلاف ہے، ترجیح دی تھی، جناب مولانا جمیل احمد صاحب مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور نے نہایت سنجیدگی، متانت، اور رواداری کیساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے، اور حنفی مسلک کے دلائل بیان کئے ہیں اور سیرت عائشہؓ کے بیان کردہ دلائل کا جواب دیا ہے، ہم نے مولانا کے اس رسالہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور دل سے دعا نکلی کہ مولانا نے اپنے معاصر علماء کے سامنے مسائل کی تحقیق اور مناظرہ کی نہایت عمدہ مثال پیش کی ہے، فجزاہ اللہ تعالیٰ

---

اخبار علمیہ کے ضمن میں اسی رسالہ میں آپ چیکاگو یونیورسٹی کی شائع کردہ ایک علمی کتاب کا ذکر پائیں گے، جسکو اس یونیورسٹی کے ۱۶ پروفیسروں نے ملکر تصنیف کیا ہے، اور اس میں موجودہ زمانہ کی علمی ترقیوں کا بیان ہے، اسمیں حقیقت زندگی کے متعلق حسب ذیل فقرہ ہے

"لیکن ہم پر فرض ہے کہ ہم پوری صراحت کے ساتھ یہ کہدیں کہ زندگی کا اصل راز اب تک پردۂ راز میں ہے، اُسکے حل کا بہترین طریقہ جو ہمارے پاس ہے، وہ ابتدائی مفروضات ہیں، لیکن زندگی کے آغاز کی حقیقت نہ کھلنے والی گرہ ہے، اور جمادات اور زندہ مخلوقات کے درمیان جو غار ہے، وہ اب تک اوسی طرح ناقابل عبور ہے،

---

ہم نے اس کتاب کا یہ فقرہ مصر کے ایک داعی الحاد عربی رسالہ الہلال جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ (۳۶۰) میں جسوقت پڑھا، قرآن پاک کی آیت کریمہ کی صداقت کا معجزہ ہماری آنکھوں کے سامنے آگیا، یہودیوں کے سوال

کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو اس اعلان کا حکم دیا،

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ — اے پیغمبر تجھ سے لوگ روح کی نسبت سوال کرتے ہیں کہہ

رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا — کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور اے انسانو!

تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ دیا گیا ہے،

اس حقیقت دانی اور فطرت شناسی کے مدعیانہ عہد میں ۱۶ پروفیسروں کا اعتراف جہل، قرآن پاک کی سب سے بڑی تصدیق ہے،

※

انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد دکن) نے اردو کی ترقی کے میدان میں ایک نیا قدم اٹھایا ہے یعنی مخصوص سائنس کے مضامین اور مسائل کی اشاعت کے لئے ایک سہ ماہی رسالہ کا اجراء، اسکا نام سائنس ہے، اور اسکا پہلا پرچہ ۱۰۰ صفحوں کی ضخامت پر، رسالۂ اردو کی تقطیع پر ٹائپ میں نکلا ہے، رسالہ میں شذرات اور اخبار علمیہ اور تبصرے کے علاوہ متعدد مستقل مضامین نے اس کی اس اشاعت میں جگہ پائی ہے، ڈاکٹر مظفر الدین قریشی (جامعۂ عثمانیہ) نے اسکی ادارت کے فرائض اپنے ہاتھ میں لئے ہیں، ترجموں کے علاوہ بعض مستقل مضامین بھی اسمیں لکھے گئے ہیں، یورپ کے بعض علمائے سائنس نے بھی اسمیں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے، جنمیں سے ایک دو کے مضمون اس پہلے پرچہ میں بھی شائع ہوئے ہیں، مضامین میں سہولت اور "عام فہمی" اکثر ملحوظ رکھی گئی ہے، اس سے پہلے بھی مختلف لوگوں کی طرف سے خالص سائنٹفک رسالہ کے نکالنے کی ناکام کوششیں کی گئی ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ کی کوشش بڑے ساز و سامان کیساتھ وجود میں آئی ہے، اسلئے اسکی بقاء کی توقع کی جاسکتی ہے، قیمت آٹھ روپے سالانہ

※

جامعۂ ملیہ نے اپنے شعبۂ تالیف و ترجمہ کو منظم اور باقاعدہ کرکے اسکا نام "اردو اکادمی" رکھا ہے، اور اس نے یہ ہمت کی ہے، کہ مختلف مباحث پر سال میں کم از کم چھ کتابیں اردو میں شائع کرے، اس غرض سے کہ شائقین کے



ہاتھوں تک یہ کتابیں جلد اور بآسانی پہنچ سکیں، نیز اکاڈمی کے شعبہ کو مالی اعانت مل سکے، اُس نے یہ تجویز ملک کے سامنے پیش کی ہے کہ اگر عہ سالانہ یکمشت یا باقساط ادا کرکے لوگ اُس کے ممبر بنیں، تو وہ اپنا ماہوار رسالہ جامعہ اور پندرہ روزہ علمی صحیفہ پیام تعلیم اور سالانہ چھ کتابیں وہ اُن کو نذر کرے گی، امید ہے کہ علم کے شائقین اُس کی اس تجویز پر لبیک کہینگے،

نہایت خوشی کی بات ہے کہ پنجاب کی سب سے بڑی اسلامی ریاست بھاولپور نے تین چار برس سے اپنی ریاست بھاولپور میں ایک عظیم الشان مشرقی و مغربی علوم کی مخلوط درسگاہ جامعۂ عباسیہ کے نام سے قائم کی ہے، حضور فرمانروائے بھاولپور دام اقبالہٗ نے جو عباسی خاندان کی بقیہ یادگار ہیں، اس درسگاہ کو قائم کرکے اپنی قدیم خاندانی علم دوستی، اور حکمت نوازی کا ثبوت دیا ہے، اس کے ساتھ ریاست کے وزیر داخلیہ و تعلیمات مولانا غلام حسین صاحب نے اس تجویز کو جامۂ عمل میں لانے کے لئے جو کوششیں فرمائی ہیں، وہ بھی تعریف و ستایش کی مستحق ہیں،

جامعۂ عباسیہ کی تجویز ۲۲ جون ۱۹۲۵ء کو منظور ہوئی، اور ۱۵- اگست ۱۹۲۵ء کو اسکی بنیاد پڑی، اس جامعہ میں زبانوں میں سے اردو، فارسی، عربی، اور انگریزی، اور علوم میں دینیات، ادبیات، معقولات اور ریاضیات کی تعلیم ہوتی ہے، ساتھ ہی طب کا بھی ایک شعبہ قائم ہے، جسمیں قدیم طب کیساتھ بعض جدید طبی علوم کا بھی اضافہ کیا گیا ہے، کل نصاب چار درجوں پر تقسیم کیا گیا ہے، پہلا درجہ ابتدائی جسکا نام مودب رکھا گیا ہے، درجہ چار جماعتوں پر منقسم ہے، دوسرا درجہ عالم ہے، وہ بھی چار جماعتوں پر منقسم ہے، تیسرا درجہ فاضل ہے، جسکی تین جماعتیں ہیں، آخری درجہ علامہ کا ہے، وہ بھی تین جماعتوں پر تقسیم ہے، اسطرح ابتدا سے آخری درجہ تکمیل تک ۱۴ برس کی تعلیم ہے، ہر درجہ کے نصاب میں جو کتابیں رکھی گئی ہیں، اُنمیں قدامت پرستی کا لحاظ بحمد اللہ نہیں رکھا گیا ہے، جدید و قدیم علوم کو باہم ملانے کی یہ مبارک کوشش امید ہے کہ انشاء اللہ مفید اور نفع بخش ہوگی،

سیرۃ نبویؐ کی چوتھی جلد کے متعلق اکثر اصحاب دریافت فرماتے رہتے ہیں، اُن کی خدمت میں گذارش ہو کہ ابھی تک یہ جلد زیر تحریر و تالیف ہو، اس جلد کا موضوع منصبِ نبوت، یا یوں کہئے کہ اسلام ہے، اسمیں آنحضرت صلعم کی تعلیمات، تمام اصلاحات، اور آپ کی نبوت و رسالت کے پیغمبرانہ فرائض کی تفصیل و تشریح ہوگی، کتاب چار بڑے بڑے ابواب پر منقسم ہے، اسمیں پہلا باب مکمل ہو چکا ہے، دوسرا زیر تحریر ہے، اور تیسرے اور چوتھے کے متعلق معلومات فراہم ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال رہا، تو سالِ رواں کے آخر تک اس جلد کی تالیف تکمیل کو پہنچ جائے گی،

———※———

کتب خانہ کی تعمیر کے سبب سے آجکل دار المصنفین ایک گونہ مالی دشواریوں میں مبتلا ہے، سخت بے انصافی ہوگی، اگر ہمارے ناظرین اور تمام شائقین علم اسوقت ہماری دستگیری نہ فرمائیں، یا تو معاون رسالانہ والی رکنیت قبول کریں، یا ہماری کتابوں کی خریداری فرمائیں، یا معارف کی اشاعت کی توسیع کریں، ہم جانتے ہیں کہ اخبارات و رسائل کی اپیلیں اپنے ناظرین کو کستدر کم اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں، تاہم افسوس ہے کہ سوائے اس طریقۂ دعوت کے کوئی اور صورت ہمارے ہاتھ میں ابھی نہیں،

———※———

معارف (نومبر ۱۹۲۶ء) کے اخبار علمیہ میں، دفتر حفظ العلوم لاہور کی زبانی و تحریری اطلاع کے مطابق ہمنے لکھا تھا، کہ نہایت خوشی کی بات ہے، کہ مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے (اورینٹل کالج لاہور) نے حفظ العلوم (اردو انسائیکلوپیڈیا) کے مسودات کی تصحیح اور نظر ثانی اپنے ذمہ لی ہے، اب مولوی صاحب ممدوح نے ہمکو اطلاع دی ہے، اور اُسکے ظاہر کرنے کی ہدایت کی ہے کہ یہ اطلاع صحیح نہیں، موصوف کا اصل خط یہ ہے

یونیورسٹی آف دی پنجاب ۱۴؍ دسمبر ۲۷ء

جناب مکرم بندہ۔ تسلیم

معارف نومبر ۱۹۲۶ء میں بذیل اخبار علمیہ جنابنے یہ ذکر فرمایا ہے، کہ میں حفظ العلوم کے مضامین پر نظر ثانی کرتا ہوں" یہ اطلاع درست نہیں،

خاکسار محمد شفیع

# مقالات

## القضاء فی الاسلام

یعنی

## اسلام مین مقدمات،

۴

از مولانا عبد السلام ندوی

**قرینہ** مقدمات کے فیصلون مین شہادت اور اقرار سے زیادہ قرائن سے مدد مل سکتی ہو چنانچہ علامہ ابن قیم نے لکھا ہو کہ ملزم کے پاس مال مسروقہ کی موجودگی کی حالت مین ہمیشہ ائمہ اور خلفاء نے چوری کی سزا دی ہے اور یہ قرینہ گواہ اور اقرار سے زیادہ قوی ہے کیونکہ شہادت اور اقرار مین جھوٹ اور سچ دونون کا احتمال ہے لیکن ملزم کے پاس مال مسروقہ کی موجودگی بالکل غیر مشتبہ چیز ہے' اگر ایک مقتول خاک و خون مین تڑپتا ہوا پایا جائے اور دوسرا شخص چھری لیے اُس کے سر پر کھڑا ہو بالخصوص ایسی حالت مین جبکہ پہلے سے اُس کی عداوت معلوم ہو چکی ہو تو کیا کوئی شخص اس کے قاتل ہونے مین شبہہ کر سکتا ہی[1]

حضرت یوسفؑ کے سر سے ایک نہایت اہم الزام اسی قرینہ کے ذریعہ سے اُٹھایا گیا ہو اور خود قرآن مجید مین یہ واقعہ مذکور ہے' چنانچہ سورۂ یوسف مین ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۶ و ۷،

ایک بند مکان مین بجبر بلوث گناہ کرنا چاہا تو وہ وہان سے بھاگے اور بھاگنے مین اُس نے پیچھے سے
اُن کی قمیص کو پکڑا تو وہ پھٹ گئی، دونون اسی دوڑ دھوپ کی حالت مین گھر کے دروازے تک آئے
تو وہان زلیخا کا شوہر موجود تھا، زلیخا نے کہا کہ "اس نے تمھاری بی بی کے ساتھ خیانت کا ارادہ کیا
اب یا تو اس کو قید کردیا جائے یا اور کوئی دردانگیز سزا دی جائے"، حضرت یوسف علیہ السلام نے
جواب دیا کہ اس نے خود مجھ کو آمادۂ گناہ کرنا چاہا تھا" اب ایک مقدمہ کی صورت پیدا ہوگئی اور خود زلیخا
کے خاندان کے ایک شخص نے اسپر جو شہادت دی وہ قرآن مجید کے الفاظ مین حسب ذیل ہے،

| | |
|---|---|
| ان کان قمیصه قد من قبل فصدقت وھو | یوسف کا کرتہ (دیکھا جائے) اگر آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا |
| من الکذبین وان کان قمیصه قد من | سچی اور یوسف جھوٹے، اور اگر یوسف کا کرتہ پیچھے سے |
| دبر فکذبت وھو من الصدقین | پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف سچے، |

اس نے اس قرینہ کو پیش نظر رکھ کر جو فیصلہ کیا اس کو قرآن مجید نے ان الفاظ مین بیان کیا ہے

| | |
|---|---|
| فلما رأ قمیصه قد من دبر قال | توجب (زلیخا کے شوہر نے) یوسف کے کرتے کو پیچھے سے |
| انه من کیدکن ان کیدکن عظیم، | پھٹا ہوا دیکھا تو اُس نے (اپنی بی بی سے) کہا کہ یہ ہین تم |
| | عورتون کے فریب، کچھ شک نہین کہ تم عورتون کے فریب |
| | بڑے غضب کے ہوتے ہین، |

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض معاملات کے فیصلے مین ان قرائن پر اعتماد کیا ہے،
مثلاً خیبر مین یہودیون کے مال و دولت کا بہت بڑا حصہ شرائط صلح کے بموجب مسلمانون کے قبضے مین
آگیا تھا، لیکن ایک یہودی سے جب اس کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے یہ کہکر انکار کردیا کہ "وہ لڑائی کے
مصارف مین صرف ہوگیا" لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے انکار کو اس لیے تسلیم
نہین کیا کہ مال کی مقدار بہت زیادہ اور خرچ کا زمانہ کم تھا اس لیے اتنا مال اتنی کم مدت مین خرچ



نہین کیا جا سکتا تھا، لوگون نے اسپر مزید شہادت دی کہ وہ ایک کھنڈر مین گھومتا ہوا نظر آیا تھا، تحقیقات
کی گئی تو تمام مال اسی کھنڈر مین ملا[1]،

قضاۃ اسلام نے بھی مقدمات کے فیصلے مین اسی قرینہ سے مدد لی ہے، چنانچہ ایک بار دو شخصون
مین، دو چادرون کے متعلق جن مین ایک سُرخ تھی اور ایک سبز تھی نزاع پیدا ہوئی تو دونون قاضی ایاس
بن معاویہ کے اجلاس مین فریق مقدمہ بن کر آئے، اور ایک نے کہا کہ مین چادر رکھکر ایک حوض مین غسل
کرنے کے لیے گیا، تو یہ شخص آیا اور میری چادر پر اپنی چادر رکھ کر غسل کرنے لگا، لیکن مجھ سے پہلے غسل
سے فارغ ہو کر نکلا تو میری چادر بھی لیتا گیا، مین نے تعاقب کر کے گرفتار کیا تو اُس نے کہا کہ یہ میری چادر ہے
چونکہ اس کے پاس کوئی گواہ نہ تھا اس لیے قاضی صاحب نے دونون کے بال مین کنگھی کی تو
ایک کے سر سے سُرخ اور دوسرے کے سر سے سبز اون نکلا" اس لیے جس کے سر سے سُرخ اون نکلا
تھا اُسکو سُرخ چادر اور جسکے سر سے سبز اُون نکلا تھا اُس کو سبز چادر دیدی[2]،

**تجربہ** مقدمات کی تحقیقات مین دیرینہ تجربات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے اور قضاۃ اسلام نے
اپنے تجربات سے بڑے سے بڑے مخفی راز کی پردہ دری کی ہے، مثلاً ایک بار قاضی ابو حازم کے اجلاس
مین ایک بوڑھا آدمی ایک نوخیز جوان کے ساتھ حاضر ہوا اور اس پر ایک ہزار دینار کے قرض کا
دعوی کیا، اور اس نوجوان نے نہایت آسانی کے ساتھ اس کا اقرار کرلیا، قاضی صاحب نے
بوڑھے سے پوچھا کہ اب کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ مین اس کو قید کرانا چاہتا ہون" قاضی صاحب
تھوڑی دیر تک دونون کے معاملے پر غور و فکر کرتے رہے اس کے بعد فرمایا کہ "مین دوسرے اجلاس مین
اس معاملے پر غور کرون گا" اس حالت کو دیکھ کر اُن کے ایک دوست نے پوچھا کہ "آپ نے اُس کے
قید کرنے مین کیون تاخیر کی؟ بولے" اپنے تجربہ کی بنا پر مین نے فریقین کے چہرے ہی کو دیکھ کر جھوٹے

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۸، [2] ،، صفحہ ۳۶،

اور سچے کی تمیز کر لیتا ہون اور اس مین بہت کم غلطی واقع ہوتی ہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان کا یہ فیاضانہ اقرار بالکل جھوٹ ہے کیونکہ مال کی تعداد بہت زیادہ ہے اور نوجوان لوگ اس قدر متدین اور پرہیزگار نہین ہوتے کہ اس قدر رقمون کا اس قدر جلد اور اس قدر فیاضی کے ساتھ اقرار کرلین" قاضی صاحب یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ایک تاجر نے حاضری کی اجازت چاہی، اس کو اجازت ملی تو اس نے حاضر ہوکر کہا کہ "ایک نوجوان لڑکے نے مجھے سخت مصیبت مین مبتلا کر دیا ہے، ایک شخص کے پاس کچھ بازاری عورتین ہین اور وہ میری تمام دولت انہین پر ضائع کر دیتا ہے، اگر مین اس کو روکتا ہون تو حیلہ بازی کے ساتھ روپیہ حاصل کرتا ہے، اور مجھے وہ روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے آج اُس نے اُس شخص کو اسپر آمادہ کیا ہے کہ وہ اُس سے ہزار دینار کا مطالبہ کرے، چنانچہ آج مجھے معلوم ہوا کہ اس نے آپ کے اجلاس مین اس رقم کا اقرار کر لیا ہے تاکہ وہ قید کر دیا جائے اور اس کی مان کی تکلیفون کے ساتھ مین بھی تکلیف مین مبتلا ہوکر اس رقم کو مجبوراً ادا کرون" قاضی صاحب اس واقعہ کو سُنکر مسکرائے اور اپنے دوست کی طرف دیکھ کر فرمایا؟ کیون تم نے کیا دیکھا؟[1]

تحریری ثبوت | مدعی اور مدعا علیہ کے بیانات، گواہون کی شہادت، جرح، قرینہ، اور تجربہ سے زیادہ اہم چیز تحریری ثبوت ہے، جو مقدمات مین خط، دستاویز اور دستخط وغیرہ کی صورت مین پیش کیا جاتا ہے اور زیادہ تر مقدمات کے فیصلون کی بنیاد انھین کاغذات پر رکھی جاتی ہے، لیکن عہد نبوت اور عہد صحابہؓ مین جن مقدمات کے فیصلے کیے گئے، جہان تک ہم کو معلوم ہے، ان مین تحریری ثبوت سے کام نہین لیا گیا، اس لیے ہم یہ نہین بتا سکتے کہ اس مبارک عہد مین اس قسم کے تحریری ثبوتون پر کس حیثیت سے نگاہ ڈالی گئی، اور اسی بنا پر بعد کو یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ آیا مقدمات کے فیصلے مین تحریر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہین؟ جمہور فقہاے اسلام اسکو ناقابل اعتماد چیز سمجھتے ہین اور انکے

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۳،



دلائل حسب ذیل ہین،

(۱) ایک راوی حدیثون کو سُن کر لکھ لیتا تھا اور اسی تحریری مجموعہ کے اعتماد پر روایت حدیث کرتا تھا، قرآن مجید کے بعد تمام حدیثین انھین تحریرون کے ذریعہ سے ہم تک پہونچی ہین، اس لیے اگر تحریر پر اعتماد نہ کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حدیثین ضائع ہو جائین،

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاصدون کے ذریعہ سے بادشاہون کے نام خطوط بھیجتے تھے، اور قاصدون کو اُن خطون کے مضامین زبانی نہین بتاتے تھے بلکہ خط پر مہر لگا کر اُن کے حوالے کرتے تھے، اور وہ اسی طرح سر بمہر مکتوب الیہ کو دیدیے جاتے تھے اور وہ سند و حجت خیال کیے جاتے تھے،

(۳) صحیحین مین یہ حدیث موجود ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کے متعلق وہ وصیت کر سکے تو اس کو یہ حق حاصل نہین ہے کہ بغیر وصیت نامہ لکھے ہوئے دو رات بھی بسر کرے، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تحریر قابل اعتماد چیز نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصیت نامہ لکھنے کو ضروری کیون قرار دیتے؟

لیکن فقہاے اسلام کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تحریر کو قابل اعتماد چیز نہین سمجھتا، کیونکہ ایک خط دوسرے کے خط سے مشابہ ہو سکتا ہے، اور ایک شخص دوسرے شخص کے خط کی بعینہ نقل کر سکتا ہے، خود اسلام کی تاریخ مین اسی بنا پر بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہین، حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ صرف اس لیے پیش آیا کہ لوگون نے اُن کے لکھے ہوے خط کے مثل جعلی خط بنایا اور انھین کی مُہر کے مشابہ مہر لگائی، حدیثون سے بے شبہہ یہ اعتماد کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ اس زمانے کی بات ہے جب لوگون کی اخلاقی حالت مین کوئی تغیر نہین پیدا ہوا تھا، لیکن بعد کو حالات اسقدر بدل گئے کہ خود امام مالکؒ اور ابن ابی لیلیٰ کے زمانہ مین لوگون کی اخلاقی حالت ناقابل اعتماد ہو گئی، چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہین کہ:

پرانے لوگون کی حالت یہ تھی کہ قاضی ایک شخص کے لیے ایک تحریر لکھتا تھا اور اُس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہین کرتا تھا کہ اسپر مہر لگا دیتا، لیکن جب لوگ قابل الزام ہوگئے تو وہ صرف دو گواہون کے اظہار کو قبول کرتا تھا،

محمد بن عبد الحکم کہتے ہین کہ ہمارے زمانہ مین اگر کوئی تحریر شہادت سے ثابت کی جاے تو اسپر فیصلہ نہین کیا جا سکتا، کیونکہ لوگون مین طرح طرح کی اخلاقی برائیان پیدا ہوگئی ہین، لیکن گذشتہ زمانے مین لوگ قاضی کی تحریر کی مہر پر شہادت کو جائز سمجھتے تھے،

لیکن بعض تحریرون پر یہ گروہ بھی اعتماد کرتا ہے، مثلاً اسلام مین صدقہ و جزیہ وغیرہ مین جو جانور آتے تھے ان کی ران پر صدقہ، وقف، اور جزیہ وغیرہ کے الفاظ کا ٹھپہ لگا دیا جاتا تھا جن سے وہ باہم اور نیز دوسرے جانورون سے ممتاز ہو جاتے تھے، اور اس قسم کی تحریرین قابل اعتماد ہو سکتی ہین کیونکہ یہ ایک نہایت نمایان علامت ہے، اور غالباً گواہون کی شہادت سے زیادہ قابل اعتماد ہے، اور خود رسول اللہ صلعم اور صحابہ رضؓ نے اس قسم کے ٹھپے لگاے ہین، اس لیے اگر اس طریقے سے یہ جانور باہم ممتاز نہ ہو جاتے تو ٹھپہ لگانے کا کوئی فائدہ متصور نہ ہوتا، اسی طرح اگر کسی مکان کے دروازے یا دیوار پر پتھر لگا ہوا ہو اور اسپر وقف یا مسجد کا لفظ لکھا ہوا ہے تو اسپر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ وہ پتھر کسی دوسری جگہ سے منتقل کرکے اس دروازے یا دیوار پر لگا دیا گیا ہو لیکن یہ علانیہ نظر آتا ہے کہ وہ دیوار کا ایک جزو ہے اور اس مین منتقل کرنے کی کوئی علامت نہین پائی جاتی، بلکہ گمان غالب یہ ہے کہ وہ گھر کے بننے کے ساتھ ہی ہمین لگایا گیا ہے اس لیے وہ دو گواہون کی شہادت سے زیادہ قابل اعتماد ہے،

لیکن اگر ایک کتبخانہ کی کتابون کے متعلق جسکی پشت پر وقف کا لفظ لکھا ہوا ہے نزاع واقع ہو تو قاضی کو مختلف قرائن و حالات کا لحاظ کرنا پڑیگا، مثلاً اگر وہ کتابین کسی خاص مدرسہ یا کسی خاص مقام مین الماریون یا صندوقون مین ایک مدت سے رکھی ہوئی ہین اور عام طور پر اس کا وقف ہونا مشہور ہے



تو اس تحریر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ان کتابون کے رکھنے کی جگہ معلوم نہین ہے اور یہ پتہ نہین چلتا کہ کس نے اس پر وقف کا لفظ لکھا ہے، تو حاکم کو اس معاملے مین غور و فکر کرنا پڑیگی بہرحال اس صورت مین تنہا وقف کے لفظ کا لکھا ہونا کافی نہین ہے بلکہ اور قرائن و علامات کی ضرورت ہے،[1]

اصل یہ ہے کہ تحریر کے متعلق یہ اختلاف خود زمانون کے حالات سے تعلق رکھتا ہے، اصولاً تو تحریر یقیناً ایک قابل اعتماد چیز ہے یہ سچ ہے کہ ایک تحریر دوسری تحریر سے مشابہ ہو سکتی ہے یہ مشابہت بعینہ ایسی ہی ہے جسطرح دو شخصون کی صورت اور آواز مین ہوتی ہے، لیکن باوجود اس مشابہت کے ایک کی صورت اور آواز دوسرے کی صورت اور آواز سے ممتاز ہوتی ہے، بعینہ اسی طرح باوجود مشابہت کے ایک کی تحریر دوسری تحریر سے مختلف ہوتی ہے، اسی بنا پر قدیم زمانے مین تحریرون پر بلا تامل اعتماد کیا جاتا تھا، لیکن بعد کو جب لوگون کی اخلاقی حالت خراب ہوگئی اور جعل و فریب کا زمانہ شروع ہوا تو فقہا نے اس معاملے مین بہت سی قیدین لگا دین مثلاً اگر کسی حاکم کے سامنے خود اس کا لکھا ہوا کوئی فیصلہ یا حکم پیش کیا جائے تو اس کو یہ یاد ہونا چاہیے کہ اُس نے یہ فیصلہ لکھا ہے، یا حکم دیا تھا، اگر کسی دوسرے شخص کی تحریر پیش کی جائے تو بطریق مشہور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اسی کا خط ہے، اگر ایسا نہین ہے تو شہادتون سے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ فلان شخص کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر ہے، بہرحال فقہاے اسلام نے اس معاملہ مین اس قدر کافی احتیاط کرلی ہے جو اس زمانہ کے لیے بالکل موزون ہے،

**اسلامی قانون**

اسلام کا سب سے مقدم قانون قرآن مجید ہے، اس کے بعد احادیث کا درجہ ہے اور ان سب کے بعد جج کی ذاتی راے ہے جسکو اسلام مین اجتہاد کہتے ہین اب انھین تمام چیزون کے مجموعہ کا نام فقہ ہے، اور اس موقع پر ہم کو اسی مجموعہ قانون یعنی فقہ اسلامی پر اس حیثیت سے غور کرنا ہے کہ وہ

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۸۵ تا صفحہ ۱۹۲،

ہر زمانے مین تمام قانونی ضروریات کے لیے کافی ہے یا نہین ؟

اصل یہ ہے کہ قانون بلکہ تمام علوم و فنون کی ایجاد ہر زمانے کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوا کرتی ہے، اس زمانے مین تمدنی و قانونی ضروریات بہت زیادہ بڑھ گئین ہین اور روز بروز بڑھتی جاتی ہین، اس لیے ہر قانونی نزاع کے فیصلے کے لیے بہ کثرت دفعات قائم کرلی گئی ہین، اور جب کوئی شخص قانونی چارہ جوئی کرتا ہے تو ان ہی دفعات کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے، لیکن اسلام کے ابتدائی زمانے مین اہل عرب کی قانونی ضرورتین نہایت محدود تھین، اس لیے ان کو اس قسم کے مجموعہ قانون کی ضرورت نہ تھی، بلکہ جس وقت کوئی قانونی مسئلہ پیدا ہوتا تھا اس کے متعلق قرآن مجید مین احکام نازل ہوجاتے تھے، ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ کسی قانونی نزاع کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اُسکے متعلق احکام نازل ہوجائین، چنانچہ علامہ خضری اپنی کتاب التشریع الاسلامی مین لکھتے ہین،

> قانونی آیات جن کو آیات احکام کہتے ہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر اُن واقعات کے جواب مین نازل ہوتی تھین جو اسلامی سوسائٹی مین پیدا ہوجاتے تھے کبھی بعض آیتین ان سوالون کے جواب مین بھی نازل ہوجاتی تھین جو بعض مسلمان کرتے تھے ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ احکام ابتداءً خود بخود نازل ہوجائین[1] باقی وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوے ہون تو وہ بہت کم ہین اور ہم کو ایسا کوئی حکم بہت کم نظر آتا ہے جسکے متعلق مفسرین نے کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہ کیا ہو جسکے بعد وہ حکم نازل کیا گیا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس قسم کے دفعات نہین وضع فرمائی ہین کہ اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو فلان دفعہ کے مطابق فلان قسم کا فیصلہ کیا جائے، بلکہ جو واقعات پیش آجاتے تھے آپ مختلف اصول و مصالح کو پیش نظر رکھ کر اُن کے فیصلے کر دیتے تھے، اور وہی فیصلے اسلام کے قانونی احکام بن جاتے تھے، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک اہل عرب کی قانونی ضرورتون کیلیے قرآن و حدیث کے





احکام بالکل کافی تھے، اور صحابہ کرام نے بھی اسی روش کو قائم رکھا تھا، اس لیے جب تک کوئی واقعہ یا مسئلہ پیدا نہین ہوجاتا تھا وہ اُس کے متعلق کوئی جواب نہین دیتے تھے، چنانچہ ایک بار ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک سوال کیا تو فرمایا کہ "جو واقعہ پیدا نہین ہوا ہے اُس کے متعلق کوئی سوال نہ کرو، کیونکہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ انصاری سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ یہ پوچھ لیتے تھے کہ یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے یا نہین؟ اگر لوگ جواب اثبات مین دیتے تھے تو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دیدیتے تھے ورنہ کہدیتے تھے کہ اسکو ہوجانے دو تو سوال کرو" حضرت عمار بن یاسرؓ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو انھون نے فرمایا کہ کیا ایسا ہوچکا ہے ؟ لوگون نے کہا نہین" بولے ہم کو اس وقت تک معاف کرو جب تک کہ وہ ہو نہ جائے، اگر ہوجائیگا تو ہم تمھارے لیے زحمت برداشت کرین گے" ایک بار حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا کہ "جو شخص ان معاملات کے متعلق سوال کریگا جو واقع نہین ہوے ہین اس پر سختی کرون گا جو کچھ ہونیوالا ہے خدا نے اُس کو بیان کردیا ہے"[1] البتہ صحابہؓ کے زمانے مین بعض واقعات ایسے پیدا ہوجاتے تھے کہ جن کے متعلق قرآن و حدیث مین صریح احکام موجود نہین ہوتے تھے، اس لیے اُن کو رائے اور قیاس سے کام لینا پڑتا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دستور یہ تھا کہ جب قرآن و حدیث مین کوئی حکم نہین پاتے تھے تو لوگون کو جمع کرکے مشورہ کرتے تھے، اور جس چیز پر اُن کی رائے کا اتفاق ہوجاتا اُسی کے مطابق فیصلہ کردیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ بھی یہی تھا، چنانچہ جب انھون نے قاضی شریحؒ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو فرمایا کہ سب سے پہلے قرآن کا پھر حدیث کا اتباع کرو، لیکن اگر ان مین حکم موجود نہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو، حضرت ابوموسی اشعریؓ کو قیاس و رائے کے متعلق اس سے بھی زیادہ واضح حکم دیا یعنی،

اعرف الاشباہ والامثال وقس الامور عند ذالک — یعنی مشابہ اور مماثل چیزون کو معلوم کرو پھر قیاس کرو،

صحابہ کرامؓ کے اس شورہ مین جب ایک جماعت کثیر شامل ہوکر راے دیتی تھی تو کسی کو اسکی مخالفت کا حق حاصل نہین ہوتا تھا، اور اظہار راے کی اسی شکل کا نام شریعت کی اصطلاح مین اجماع ہے،

غرض اس طرح قرآن وحدیث کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے زمانے مین احکام وفتاوی کے دو ماخذ اور پیدا ہوگئے، ایک قیاس اور دوسرا اجماع ہی، اس لیے پیش آنے والے واقعات ومقدمات کے فیصلے مین ان کو کوئی دشواری پیش نہین آئی لیکن چونکہ ان کی راے اور اجماع کا دارومدار بھی قرآن وحدیث ہی پر تھا، اس لیے یہ کہنا غیر موزون نہین ہے کہ قرآن وحدیث صحابہ کرامؓ کے زمانہ مین بھی باوجود تمدنی وسعت، اور قانونی ضروریات کی کثرت کے کافی تھے البتہ بعض حالات مین تمدنی ضروریات کی وسعت اور اخلاقی خرابیون کی وجہ سے معاملات کی جدید صورتین پیدا ہوسکتی ہین لیکن اس ضرورت کو ہمارے فقہا نے اس طرح پورا کردیا ہے کہ نہایت کثرت سے واقعات کی فرضی صورتین پیدا کی ہین اور ان کے جوابات دیے ہین، چنانچہ علامہ خضری التشریع الاسلامی مین لکھتے ہین،

اس دور سے پہلے علم فقہ نہایت سادہ حالت مین تھا کیونکہ وہ صرف ان ہی واقعات کے متعلق فیصلہ صادر کرنے پر اکتفا کرتا تھا جو وجود مین آجاتے تھے اور فقہا نے اس قدر وسعت نہین پیدا کی تھی، کہ کسی مسئلہ کو فرض کرکے اس کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرین لیکن اس دور مین فقہا نے نہایت وسیع پیمانے پر مسائل وضع کرکے ان کے احکام مستنبط کیے اور اس معاملہ مین اہل عراق کو درجۂ کمال حاصل تھا، ان لوگون نے قوت تخیل پر بہت زیادہ اعتماد کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے لوگون کیلئے ہزارون مسائل ایجاد کیے جن مین بعض کا وجود تو ممکن ہے لیکن بعض ایسے ہین کہ نسلین گذر جائین گی مگر کوئی شخص ان کے

سلہ التشریع الاسلامی صفحہ ۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷،



وجود کو محسوس نہ کرسکے گا، دوسرے ممالک کے فقہا جو قیاس کو فقہ کا ایک جزو ترکیبی سمجھتے تھے، اس معاملہ مین فقہاے عراق ہی کی پرورش کے محتاج تھے۔[1]

ان تفریعات کا دائرہ ابواب عبادات کو بھی محیط ہوگیا، چنانچہ تم کو عبادات کی بہت سی ایسی صورتین ملین گی جو عقل کے نزدیک قابل انکار ہین اور وہ ان کے وجود کی تصدیق نہ کریگی، لیکن ان بزرگون نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے بعد کے لوگون کو غور وفکر کی تکلیف سے نجات دلادین، اس لیے ان کے لیے مسائل کی صورتین ایجاد کین اور ان کے جوابات دیے؛

امام محمدؒ کی کتاب مبسوط بہت بڑی کتاب ہے جو چھ بڑی بڑی جلدون مین لکھی گئی ہے، ہر جلد کے اوراق کی تعداد بڑی تقطیع مین پانچسو ہے، اور ان سب مین مسائل کی تفصیل ہے، تو تم خود خیال کرو کہ اس کے مسائل کی تعداد کسقدر ہوگی؟ جب کہ مختصر قدوری مین جیسا کہ لوگ کہتے ہین بارہ ہزار مسئلے ہین تو مبسوط مین کس قدر مسائل ہون گے کیونکہ مختصر قدوری اس کے دسوین حصے کے برابر بھی نہین ہے،[2] بیشک یہ بہت بڑی چیز ہے، اور اس سے اس جد وجہد کی مقدار کا اندازہ ہوتا ہے جو ان بزرگون نے کی،[3]

اس بنا پر زمانہ کتنی ہی ترقی کرجائے اور تمدنی ضروریات کتنے ہی وسیع ہوجائین لیکن فقہ کا سرمایہ جو لاکھون فرضی مسائل پر مشتمل ہے، اور جو فتاوی عالمگیری، فتاوی قاضی خان، در المختار، ہدایہ، شرح وقایہ، مبسوط، اور فقہ کی دوسری کتابون مین بکھرے ہوے ہین، مسلمانون کی تمدنی اور قانونی ضروریات کے لیے کافی ہوسکتا ہے، اور ہر ملک ہر قوم اور ہر زمانے مین کافی ہوسکتا ہے کیونکہ فقہاے اسلام نے اپنے مذہب کے قواعد بنانے اور قرآن وحدیث پر ان کے منطبق کرنے مین مختلف ممالک مختلف مقامات اور مختلف زمانون کے عادات ورسوم کا لحاظ رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب بجز اسلام معاملات کے ضبط وتحدید کے متعلق قوانین کے استنباط مین احکام دین کے بنیادی قواعد کے نگہداشت کے ساتھ تمام روے زمین کی آبادی کیلئے کافی ہین،

سلہ کتاب مذکور صفحہ ۲۷، ۲ سلہ، صفحہ ۲۸۲، سلہ المقارنات والمقابلات صفحہ ۵،

اس سلسلے مین سب سے آخری بحث یہ ہے کہ اختلافِ زمانہ اختلافِ سلطنت اور اختلافِ ملک کے
لحاظ سے اسلام کے قطعی مسائل و احکام مین تغیرات پیدا کرکے ان کو ان حالات کے مطابق بنایا جا سکتا ہے یا نہین
یہ ایک نہایت وسیع اور پیچیدہ بحث ہے، اور اس موقع پر اُس کے متعلق اجمالاً صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ
عبادات اور شخصی معاملات مثلاً نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ سے جن احکام کا تعلق ہے وہ سب کے سب
قرآن مجید مین مذکور ہین، اور یہی وجہ ہے کہ فقہا مین اُن کے متعلق زیادہ اختلافات نہین پائے جاتے
ان کے علاوہ اور جو تمدنی، تجارتی، اور تعزیری احکام ہین وہ قرآن مجید مین مذکور نہین ہین، بلکہ اُن کی
تکمیل پیغمبرِ اسلام کے اقوال و افعال سے ہوئی ہے، اور اس بنا پر فقہا کے درمیان ان مین شدید
اختلافات پیدا ہوگئے ہین[1]، اور ان احکام کی اخلاقی صورتین اسقدر وسیع ہین کہ ہر زمانے کے
انقلابات و تغیرات کے لیے کافی ہو سکتی ہین، اور چونکہ وہ قرآن مجید مین مذکور نہین ہین، اس لیے
وہ مذہب کا اہم جزو نہین خیال کیے جاتے اور اُن مین آسانی کے ساتھ تغیرات پیدا کیے جا سکتے ہین یہی وجہ ہے کہ
یورپ کی جس حکومت نے مشرقی ممالک مین کوئی ملک فتح کیا اور اُس کے قوانین و احکام مین تغیر پیدا کرنا چاہا
اُس کے لیے شخصی احکام کا بدلنا مشکل ہوگیا، اور زمین معاملات و تعزیری احکام کے بدلنے مین اسکو آسانی ہوئی
جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ شخصی مسائل کے متعلق خود آسمانی کتابون مین تصریحات موجود ہین، اور مذہب کو اسمین دخل ہے[2]
خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے کہ لوگ جسقدر فسق و فجور کی صورتین پیدا کرین گے اسی قدر[3]
مقدمات کے فیصلون کی نئی نئی صورتین پیدا ہونگی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج فقہ اسلام کے جو
مسائل موجودہ قوانین سے بدل دیے گئے ہین اُن کے لیے خود فقہ اسلامی مین تبدیلی کی گنجائش تھی،
لیکن جو مسائل اس تبدیلی کی صلاحیت نہین رکھتے تھے اُن مین آج بھی کوئی تغیر پیدا نہین کیا گیا ہے

———(o)———

[1] المقارنات والمقابلات صفحہ ۴ [2] ″ صفحہ ۳ [3] ″ صفحہ ۲۶،



# مشہدِ اقدس

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

خراسان کے اضلاع مین طوس کا ضلع اپنی مردم خیزی کے اعتبار سے خراسان بھر مین ممتاز ہے،
اُسکی خاک سے بڑے بڑے ارباب فضل و کمال اُٹھے، ائمۂ مجتہدین، فقہاء و محدثین، مشائخ و صوفیہ، شعراء اور وزراء
جن کے تبحر علمی، عرفان حق، شاعری اور سیاست دانی کا شہرہ آج تک دنیا مین موجود ہے، اور ابد الآباد تک
باقی رہیگا، حجۃ الاسلام غزالی، شیخ الطائفہ ابوجعفر، طاؤس الفقراء ابونصر سراج صاحب کتاب اللمع، ابوالعباس
احمد بن محمد بن مسروق، حسان العجم فردوسی، اسدی طوسی، سلطان الحکماء خواجہ نصیر الدین طوسی، ابو علی حسن
بن علی المخاطب بہ نظام الملک طوسی مشہور ملک شاہ سلجوقی وغیرہ اسی آسمان کے مہر و ماہ تھے،
ان خصوصیات کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت امام علی رضا صلوات اللہ علیہ
اسی خاک مین محوِ خواب ہین، اس اعتبار سے طوس کو مسلمانون کے ایک بڑے فرقہ کے مذہبی مرکز ہونیکا
فخر حاصل ہے، شیعہ اصحاب اس مشہد کی زیارت باعثِ سعادت سمجھتے ہین اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے
حصولِ سعادت کے لیے آتے ہین، اِن خصوصیات کے باوجود کم اشخاص ایسے نکلین گے جو اس کے تاریخی حالات
اور خصوصاً اس کی موجودہ حالت سے باخبر ہون، حال مین سبزوار کے ایک فاضل سید محمد مہدی علوی نے
جو شیعہ فرقہ کے بلند پایہ عالم اور متعدد کتابون کے مصنف ہین، عربی فارسی کے علاوہ انگریزی مین بھی کافی دستگاہ
رکھتے ہین طوس کے تاریخی حالات پر ایک مختصر رسالہ سپرد قلم کیا ہے، اور مطبع المرشد بغداد نے اُس کو شائع کیا ہے،
ہم ذیل مین اسی رسالہ کے حوالہ سے اس کو ناظرین تک پہونچاتے ہین،

**امام رضا** امام علی رضا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احفادِ امجاد مین ہین، اور ائمہ اثنا عشر مین سے ایک امام ہین

ساتوین پشت مین ان کا نسب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، نسب نامہ یہ ہے علی بن موسیٰ بن جعفر
بن محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب

جمعہ ۱۱ ذیقعدہ ۱۵۳ھ مطابق ۷۷۰ء کو مدینہ مین پیدا ہوئے، خلفائے عباسیہ مین اس وقت
ابوجعفر منصور مسند خلافت پر تھا، اور سہ شنبہ ۱۷ صفر ۲۰۳ھ مطابق ۸۱۸ء مین طوس مین وفات پائی،
شیعون کی بڑی جماعت کا خیال ہے کہ مامون نے زہر کھلوایا تھا، خلیفہ مامون کی صاحبزادی ام حبیبہ ان کے
عقد مین تھین، اولاد مین ۵ لڑکے ایک لڑکی چھوڑی، جن کے نام یہ ہین، محمد تقی، قانع، حسن، ابراہیم، حسین، عائشہ

طوس کی بنیاد | طوس ایران کا مرکزی شہر ہے اور وہ اس ملک کے ممتاز ترین شہرون مین شمار کیا جاتا ہے،
کیخسرو شہنشاہ ایران کے امیر العسکر طوس بن نوذر نے ایران کے شمال مشرق مین اس کو بسایا تھا، موجودہ طوس
قدیم طوس کے ۴ کوس آگے ہے، اس کے چہار جانب شاہ طہماسپ کی بنائی ہوئی شہر پناہ ہے، شہر ایک کوس کی
وسعت مین آباد ہے، اس مین ۱۴۱ برج ہین، آب و ہوا سرد ہے،

موجودہ شہر ۶ محلون پر مشتمل ہے (۱) محلہ نقرقان، حرم رضوی کے شمالی جانب (۲) خیابان علیا، مغربی
جانب (۳) خیابان سفلی، مشرقی سمت (۴) عیدگاہ جنوبی سمت (۵) سرشور، حرم کے جنوب مغرب مین ہے (۶) [illegible]
محلہ سرشور اور خیابان علیا کے درمیان ہے، آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، ان مین برائے نام یہود اور ارمنی
سوا کل کے کل خالص شیعہ ہین، جو عقیدۂ اجتہاد و تقلید کے قائل ہین،

طوس کا قدیم نام سناباد ہے، یہ قدیم طوس کے ملحقات مین ایک قریہ تھا، جب قدیم طوس تیمور لنگ
تاخت و تاراج سے اُجڑ گیا، تو اُس کے بقیۃ السیف باشندے نقل مکان کرکے سناباد مین چلے آئے، اور امام رضا
کے مشہد کے قریب قلعہ بند ہو کر اس کے چہار جانب مکانات بنا کر آباد ہوگئے، ۸۰۹ھ مطابق ۱۴۰۶ء مین
تیمور کے بیٹے شاہرخ نے خواجہ سید مرزا کو حکم دیا کہ وہ نقل مکان کرنے والون کو دوبارہ انکے اصلی وطن طوس مین لے آئے،
مگر یہ لوگ آنے پر آمادہ نہوئے، تو شاہرخ نے ان کی آبادی کے چارون طرف شہر پناہ بنانے کا حکم دیا، چنانچہ



نہایت مستحکم قلعہ اور شہر پناہ تیار ہوگیا، اس طریقہ سے اس مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوگئی اور طوس کے
نام سے مشہور ہوگیا، اس وقت سے برابر یہ ترقی کرتا رہا، یہان تک کہ آج اپنی وسعت و فراخی کے اعتبار سے
خراسان کا پایہ تخت سمجھا جاتا ہے،

طوس مین بے شمار مسجدین ہین، لیکن مشہور اور بڑی مسجدین قابل ذکر ہین،

**جامع گوہرشاد**، یہ حرم رضوی کے جنوب مغرب مین سنگ قاشانی کی بنی ہوئی غیر مسقف مسجد ہے
۸۲۱ھ مطابق ۱۴۱۸ء مین گوہرشاد آغا، شاہرخ کی بیوی اور تیمور لنگ کی بہو نے بنوایا تھا، اس مین ۴
ایوان، مصلے ایک گنبد، اور دو منارہ ہین، دونون منار مقصورہ کے ایوان کے اوپر اور سنگ قاشانی کے ہین،
گنبد اور منارہ دونون کی بلندی ۴۱، ۴۱ ہاتھ ہے، مقصورہ کے ایوان کا طول ۲۴ ہاتھ اور بلندی ۲۵ ۱/۲ ہاتھ ہے،
ایوان کی دیوارون پر بایسنغر کے لکھے ہوئے کتبے ہین، عبارت یہ ہے،

"کتبہ راجیا الی اللہ بایسنغر بن شاہرخ بن تیمور گورگانی فی ۸۲۱ھ ہجری"

اس مسجد کا طول ۵۲ ہاتھ اور عرض ۴۸ ہاتھ ہے، وسط مین ایک سنگی ستون ہے، اس مسجد کا بڑا
"مسجد پیرزن" کے نام سے مشہور ہے،

**جامع شاہ** یہ مسجد اُس گلی کے آخر مین ہے جسمین "حمام شاہ" ہے، اس کو ازبکیہ نے بنوایا تھا، اسمین
ایک گنبد ۲ منارہ اور ۲ مصلے ہین، یہ تمام و کمال سنگ قاشانی کے ہین، لیکن افسوس اس مسجد کے تمام نشان
مٹ گئے ہین، صرف قاشانی ایوان کے باقیماندہ حصہ مین یہ کتبہ نظر آتا ہے،

"الامیر ملک شاہ عز اللہ معارج . . . . فی رجب سنہ خمس و خمسین و ثمانمائہ ۸۵۵"

**جامع امام رضاؓ**، یہ مسجد مقبرۂ قتلگاہ کے متصل ہے، شاہ عباس صفوی نے ۱۰۱۱ھ ۱۶۰۳ء
مین تعمیر کرایا تھا،

مشہور قبرین | مقبرہ قتل گاہ، یہ ایک وسیع و فراخ ہال ہے، جسمین ۱۰۰ مسلمان محو خواب ہین، اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ

کہ جب چنگیز خان نے خراسان پر یلغار کی تھی، تو یہان پر قتل عام ہوا تھا، مقبرہ کے وسط مین سنگ مرمر کا ایک کرد
پڑا ہے (غالباً یہ کوئی تاریخی پتھر ہے) اس کے پاس ہی امین الاسلام شیخ علی طبرسی[1] صاحب تفسیر مجمع البیان
کا مزار ہے اور مقبرہ اور قتلگاہ کا "غسلی نہ" ہے،

مقبرہ شہزادہ محمد، یہ ۱۴ واسطون سے امام علی زین العابدین کی اولاد مین ہین، ان کا مقبرہ محلہ
توقان مین ہے، جسکو شاہ عباس صفوی نے تعمیر کرایا تھا،

مقبرۂ سید احمد، یہ مقبرہ مقبرۂ قتلگاہ کے مشرق جانب سنگتراشون کے بازار کے پاس ہے، اس مین حضرت
موسیٰ کاظم کی ۳ اولادین مدفون ہین،

مقبرۂ پیر پالان دوز، یہ مقبرہ پائین خیابان مین ہے، سلطان محمد خدابندہ کے زمانہ مین کسی
تاجر نے بنوایا تھا، اس کا گنبد سنگ قاشانی کا ہے، صاحب مقبرہ کے حالات معلوم نہین، کچھ لوگ ان کی
تعریف کرتے ہین، اور کچھ ان کو برا کہتے ہین،

مقبرۂ مرزا ابراہیم رضوی، سادات رضویہ کے جد اور حرم شریف کے ناظر تھے، یہ مقبرہ شہر کے
جنوب جانب کوہ صخری پر ہے،

مقبرہ خواجہ ربیع بن خثیم، یہ مقبرہ شہر کے شمال جانب آبادی سے ایک کوس کی مسافت پر ہے
الغ رضوی خادم کی کوششون سے عباس صفوی نے تعمیر کرایا تھا، اس کا عظیم الشان گنبد سنگ قاشانی کا
اس کے صحن مین ایک وسیع باغ ہے جسمین گرمیون کے موسم مین لوگ سیر و تفریح کے لیے آتے ہین، اس مقبرہ مین

---

[1] ان کا پورا نام فضل بن فضل طبرسی ہے، اپنے عہد کے جلیل القدر فاضل، بلند پایہ مفسر اور جامع العلوم عالم تھے، انھون نے متعدد گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑین، جن سے ان کے مبلغ علم اور وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے، تفسیر مجمع البیان ۱۰ جلد، وجیز ۴ جلد، جوامع ۱ جلد، اعلام الوری باعلام الہدی ۲ جلد، تاج الموالید، آداب الدینیہ للخزینۃ المعینیہ، غنیۃ العابد، منیۃ الزاہد، ۵۲۳ھ مطابق ۱۱۳۰ء مین یہ طوس سے سبزوار چلے آئے اور یہین ۵۴۸ھ مطابق ۱۱۵۴ء مین وفات پائی، یہان سے ان کا جنازہ طوس گیا اور دفن ہوا،



فتح علی خان قاجار حاکم استرآباد خاندان قاجاریہ کے مورث اعلیٰ اور خواجہ ربیع کی قبر ہے، خواجہ ربیع آٹھ
مشہور زاہدون مین سے ہین، ثقہ عادل ہین اور خیار مومنین وکبار صالحین مین ان کا شمار ہے، انکو حضرت علی رضی
رے کے اطراف کی حکومت پر سرفراز کیا تھا، اس لیے جنگ صفین مین نہ شریک ہو سکے، ۶۳ھ مطابق ۶۸۲ء
مین وفات پائی، ایک اور مقبرہ ارک کے قریب ہے، یہ ایک سبز گنبد ہے، جسکو کسی طبیب نے اپنے لیے تعمیر
کرایا تھا، آج کل اس مین فقرا اور درویش جمع ہوتے ہین،

مدرسے: طوس مین یون تو بہت سے پرانے مدرسے ہین، لیکن ان مدرسون کی تعداد جن کے متعلق ادقاف
ہین، ۲۰ ہے، ان مین سے ۱۵ زیادہ مشہور اور قابل ذکر ہین،

مدرسہ مرزا جعفر، یہ مدرسہ صحن عتیق کے متصل ہے، ۱۰۵۹ھ مطابق ۱۶۴۹ء مین تعمیر ہوا، اور ناصر الدین
شاہ قاجار نے آباد کیا، اسی کے پاس حرّ عاملی صاحب الوسائل کی قبر ہے[1]،

مدرسہ مستشار، یہ مدرسہ بھی صحن عتیق کے متصل ہے، ناصر الدین قاجار کے عہد مین اس کی بنیاد پڑی،

مدرسہ دو در، یہ مدرسہ سر شور کے بازار مین مدرسہ پریزاد کے مقابل مین ہے، ابو المظفر شاہرخ
کے عہد مین بنا،

مدرسہ فاضل خان، بالا خیابان مین ہے، شاہ سلیمان صفوی کے عہد مین تعمیر ہوا،

مدرسہ نواب، یہ مدرسہ بھی بالا خیابان مین ہے، شاہ سلیمان صفوی کے عہد مین صدر الممالک نے
۱۰۸۶ھ مطابق ۱۶۷۵ء مین تعمیر کرایا،

---

[1] ان کا نام شیخ محمد بن حسن بن علی بن حسین بن حر العاملی المشغری ہے، شیخ موصوف عالم باعمل، بلند پایہ محدث اور فاضل فقیہ تھے، کوہ عامل کے ایک گاؤن مشغرہ مین شب جمعہ رجب ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۴ء مین پیدا ہوئے اور طوس مین وفات پائی، متعدد بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑین، کتاب وسائل الشیعہ فی تحصیل مسائل الشریعہ، کتاب الجواہر السنیہ فی احادیث القدسیہ، کتاب امل الآمل فی احوال علماء جبل عامل، ان تالیفات کے علاوہ ایک دیوان ہے جسمین ان کا پورا کلام جمع ہے،"

مدرسۂ مولے محمد باقر، یہ مدرسہ بھی بالا خیابان مین ہے، شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ مین تعمیر ہوا،

مدرسۂ مولیٰ حاجی حسن " " "

مدرسۂ عباس قلی خان، پایٔین خیابان مین ہے، شاہ سلیمان صفوی کے عہد ۱۰۷۷ہجری مطابق ۱۶۶۶ء مین بنیاد پڑی،

مدرسۂ خیرات خان، پایٔین خیابان مین ہے شاہ عباس صفوی ثانی کے عہد مین تعمیر ہوا،

مدرسۂ ابدال خان، پایٔین خیابان مین ہے، ناصرالدین شاہ کے زمانہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء مین آباد ہوا،

مدرسۂ سلیمان خان، "حمام شاہ" کی گلی مین ہے، فتح علی شاہ قاچار کے عہد مین بنیاد پڑی،

مدرسۂ نو، گندم آباد مین جامع گوہرشاد کے جنوبی سمت مین ہے، ناصرالدین شاہ قاچار کے عہد مین بنا

مدرسۂ پریزاد، سرشور کے بازار مین ہے، شاہ سلیمان صفوی نے آباد کیا،

مدرسۂ بالاسر، سرشور کے بازار مین امام رضا کے سرہانے کی سمت مین ہے، شاہ سلیمان نے آباد کیا،

مدرسۂ پایٔین پا، امام رضاؓ کے پیرون کے رُخ پر ہے، ناصرالدین شاہ قاچار نے بسایا،

ان قدیم مدارس کے علاوہ متعدد نئے مدرسے بھی ہین، جن مین سے اکثر ابتدائی ہین اور ایک اعلیٰ ہے،

اخبارات | طوس مین ۱۳ ہفتہ وار اخبار نکلتے ہین، چمن، خورشید آزاد، فکر آزاد، آزادی، طوس، صاعقہ، شرق، طلیعۂ شرق، آفتاب شرق، صدائے شرق، مینو، ترویج اسلام، ناطق اسلام، ان اخبارون مین ۳ اخبار شیخ حسن تربتی کا ناطق اسلام، آزاد مگار سبزواری کا آزاد اور مرتضیٰ مرزا کا خورشید بہت بہتر ہین،

مطبع | ان اخبارون کے ساتھ ۳ اچھے مطبع بھی ہین، نور، طوس، خراسان،

شاہراہین | طوس مین دو بڑی سڑکین ہین، جن کے درمیان ایک نہر جاری ہے، یہ نہر امیر شیر علی وزیر سلطان حسین بایقرا کی یادگار ہے، اس نہر کے پہلو مین ایک دوسری نہر "نہرِ میرزا" ہے، یہ دونون نہرین صحن شریف کے



اندر سے ہوتی ہوئی گذرتی ہین،

مشہور حکام | طوس کے مشہور حاکمون مین جنھون نے اس شہر کی خدمت کی سعادت حاصل کی نیرالدولہ کا نام ممتاز ہے، اُن کی زندہ اور نہ مٹنے والی یادگار "نہر میرزا" ہے، جسکو اُنھون نے ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء مین بڑی مسافت پر سے نکال کر جاری کیا، اس کے علاوہ ایک دوسری نہر کا افتتاح کیا، جو صحن شریف کو عبور کرتی ہوئی محلہ پایٔین خیابان کے آخری حدود تک بہتی ہے، اور اس نہر کی آمدنی کو نہر کی صفائی، شریف آباد اور طوس کی درمیانی سڑک کی مرمت اور دوسرے خیراتی کامون کے لیے وقف کردیا، ان تمام کامون مین شریف آباد اور طوس کی درمیانی سڑک کی درستی بہت اہم کارنامہ ہے،

مشہور تاریخی واقعات | چونکہ طوس کو ہمیشہ سے ایک خاص اہمیت حاصل رہی، اس لیے یہان وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے واقعات رونما ہوتے رہے جو اُسکی تاریخ مین اضافہ کرسکتے ہین، ہم اجمالاً اُن کا خلاصہ لکھتے ہین،

۵۱۱ھ مطابق ۱۱۱۷ء مین سیّد علوی اور فقہاء کے درمیان جھگڑا ہوا جس کا نتیجہ شہر کی لوٹ کی صورت مین ظاہر ہوا،

۶۰۴ھ مطابق ۱۲۰۷ء مین سلطان محمد خوارزم شاہ مشہد امام رضا کی زیارت کو آیا،

۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء مین داؤد بن براق[1] نے طوس سے لیکر ماوراءالنہر تک تاخت وتاراج کیا،

شعبان ۸۲۱ھ مطابق ۱۴۱۸ء مین شاہ رُخ گورگانی مشہد رضا کی زیارت کو آیا، اور ۳ ہزار مثقال وزنی سونے کی قندیل قبہ شریف کی نذر کرگیا،

۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۸ء مین عبدالمومن خان ازبک حاکم بلخ نے طوس کا محاصرہ کیا، کامل ۴ مہینہ کے بعد طوس فتح ہوا، سارے شہر مین قتل عام کرایا اور حرم شریف کا کُل ذخیرہ جسمین مُرغی کے انڈے کے برابر قطب شاہ دکنی کا چڑھایا ہوا الماس تھا لوٹ لے گیا،

[1] داؤد بن براق چنگیز خان تاتاری کی اولاد مین تھا،

۲۷ ذی الحجہ ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۵۹۹ء مین شاہ عباس صفوی زیارت کے لیے آیا اور صحن شریف کی تعمیر شروع کرائی،

۱۰۰۹ھ مطابق ۱۶۰۰ء مین شاہ عباس ہرات سے طوس آیا، اسی سنہ مین یار محمد خان نے اس الماس کو جسکو عبد المومن خان لوٹ لے گیا تھا واپس بھجوایا، شاہ عباس نے اس کے فروخت کی بابت فقہا سے فتوی طلب کیا، تاکہ اُس کی قیمت سے آراضی خرید کر مقبرہ پر وقف کردی جائے،

۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء شاہ عباس صفوی اصفہان سے طوس تک پاپیادہ زیارت کے لیے آیا اور صحن کو وسیع کراکے امام کے پیرون کے رخ پر ایک مرصع دروازہ لگوایا،

۱۰۱۷ھ مطابق ۱۶۰۸ء مین شاہ عباس نے کتبخانہ جائداد اور دوسرے نوادر وقف کیے،

۱۰۲۰ھ مطابق ۱۶۱۱ء مین شاہ عباس نے شمالی، شرقی، اور غربی ایوان بنوائے اور صحن مین داخلہ کا راستہ شرقی اور غربی ایوان کی طرف سے نکالا،

۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء مین جب شاہ عباس صفوی قندہار کے قصد سے باہر نکلا، تو طوس سے دو کوس پہلے پیادہ ہوگیا، اور صحن کو رنگین سنگ قاشانی سے مزین کرایا،

۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء نادر شاہ نے سونے کی مرصع قندیل جسکی ہندوستان مین نذر مانی تھی مع ایک مطلا جڑاؤ قفل کے روضہ پر چڑھائی،

۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء مین سالار کا فتنہ اٹھا اور یکشنبہ ۹ جمادی الثانی کو حسام السلطنۃ نے طوس کو فتح کیا،

حرم رضوی — حرم رضوی مین ایک خاص شان عظمت اور ہیبت برستی ہے، زائرین کے دلون پر اس کا ایک اثر پڑتا ہی، ہر چیز اُس کی ہمثیل ہے، تعمیر کا طرز منظر کی خوبی صنعت کا کمال غرض جس چیز پر نظر ڈالیے ع

کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست



حرم مختلف رنگ کے پتھر کے ٹکڑون سے نگارخانہ معلوم ہوتا ہی، قبہ شریف بیش بہا قندیلون اور بہترین چراغدانون سے آراستہ ہی، قبر کا چبوترہ خراسانی فولاد سے منڈھا ہی، حرم کی دیوارون کے کتبون سے اسکی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، کتبون کی نقل یہ ہے،

(۱۰۲۲ھ ہجری) (ربیع الاول ۱۰۲۲ھ مین) (۱۶۱۳ء کے مہینون مین) (۱۰۶۶ھ م)

ان کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سنون کے مختلف اوقات مین حرم کی زینت و آرایش ہوتی رہی، حرم کے متعلق خدام ہین، جن کو وقف سے وظائف ملتے ہین،

امام رضا کے دفن ہونے کے قبل مقبرہ اُس کے بانی حمید بن قحطبہ کے نام سے عمارت حمید بن قحطبہ مشہور تھا، کچھ دنون کے بعد سبکتگین نے اس کو ڈھا دیا، اور مدتون شکستہ حالت مین پڑا رہا، یہانتک کہ چوتھی صدی ہجری مین سوری بن معتز نے سلطان محمد بن سبکتگین کے حکم سے اسکو دوبارہ تعمیر کرایا، پھر ۵۱۱ھ لغایۃ ۵۴۸ھ حرم تک غز[1] کے جرگون کی یورش سے شکست و ریخت جاری رہی، تیسری مرتبہ سلطان سنجر سلجوقی کے عہد مین شرف الدین وجیہ الملک ابو طاہر قمی نے تعمیر کرایا،

پھر چنگیز خان کے مشہور عالم فتنہ مین منہدم ہوگیا، اس مرتبہ سلطان محمد (جایتو خدابندہ) کے حکم سے اُس کے عمال حکومت نے بنوایا،

پھر سلاطین صفویہ کے زمانہ مین زلزلہ کے جھٹکون سے پھٹ گیا، جسکو صفویون نے درست کرایا، جو ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء تک سالم رہا، اس کے بعد روس کی یورش سے ایک حصہ خراب ہوگیا جس کو ۱۳۳۱ھ مین نیر الدولہ نے درست کرایا،

شاہ طہماسپ صفوی نے اپنے زمانہ مین ۹۳۲ھ مین گنبد اور حرم کے بالائی منار کو نیچے سے اوپر تک سونے سے منڈھوایا تھا،

[1] ایک ترکی قبیلہ جس نے ۵۴۸ھ مطابق ۱۱۵۳ء مین خراسان کو لوٹا اور سلطان سنجر کو گرفتار کرلیا تھا،

گنبد کے محیط کا کتبہ ہر زائر و سیاح کو شاہ سلیمان صفوی کی یادگار یاد دلاتا ہو کتبہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو

"اس اللہ برتر کے احسانون مین سے جس نے آسمان کو ستارون سے آراستہ کیا" اور ان بلند قبون کو چمکدار موتیون سے مرصع کیا، ایک احسان یہ ہو کہ اس نے سلطان اعظم عادل خاقان افخم اکرم فخر سلاطین عالم حسباً و نسباً اور ادب و خلق مین ان سب سے اکرم اپنے معصوم اجداد کے مذہب کو رائج کرنے والے اپنے طیب و طاہر بزرگون کے مراسم کو زندہ کرنے والے، سلطان بن سلطان شاہ سلیمان موسوی صفوی بہادر خان کو اس وقت جبکہ اس گنبد ملکوتی ہم پایۂ عرش مین شکست و ریخت شروع ہو گئی تھی اور اسکی سنہری اور آفتاب تابان کی طرح چمکنے والی اینٹین ایک بڑے زلزلہ کی وجہ سے جو اس پاک اور مقدس شہر مین سنہ ۱۰۸۴ھ مین آیا تھا، گر گئی تھین اس کی تجدید آرایش اور سنہری کرنے کی توفیق دی یہ تجدید سنہ ۱۰۸۶ھ مین عمل مین آئی، کتبہ محمد رضا امامی"

اس کتبہ کے علاوہ ایک دوسرا کتبہ جو بڑے گنبد کے بالائی چھوٹے برج پر ہے اسکی نقل یہ ہے

"بسم اللہ الرحمن الرحیم خدائے برتر کی بڑی توفیق مین سے یہ ہے کہ اس نے سلطان اعظم آقائے سلاطین عرب و عجم، صاحب نسب طاہر نبوی و حسب باہر علوی، اس روضۂ منورہ ملکوتیہ کے خادمون کی خاک سے، اپنے معصوم اجداد کی نشانیون کو رائج کرنے والے سلطان بن سلطان ابو المظفر شاہ عباس حسینی موسوی صفوی بہادر خان کو دار السلطنت اصفہان سے حرم شریف کی زیارت کو پیادہ آنے پر آمادہ کیا جنھون نے اپنی جیب خاص سے اس قبہ کی زینت و آرایش کا شرف حاصل کیا، سنہ ۱۰۱۰ء مین شروع ہوا سنہ ۱۰۱۶ھ مین ختم ہوا"

ثلث عربی خط کے چھوٹے حرفون مین کاریگر کا نام اس طرح لکھا ہے،

(عمل کمال الدین محمود الیزدی فی ہزار و پانزدہ ) سنہ ۱۰۱۵

اور فارسی خط کے نستعلیق چھوٹے حرفون مین یہ دستخط ہین، (کتبہ علی رضا عباسی )



حرم کے دو صحن ہین پرانا اور نیا،

**پرانا صحن** پرانا صحن امام کے سرہانے کی طرف ہے، اس کا طول ۸۶ ہاتھ اور عرض تقریباً ۶۰ ہاتھ ہے، اسکا نصف شمالی شاہ عباس صفوی کی یادگار ہے، اور نصف جنوبی امیر شیر علی کی، شاہ عباس صفوی نے اس کو رنگین قاشانی پتھرون سے آراستہ کرایا تھا، اس صحن مین حرم کے متصل ایک ایوان ہے جو ایوان عباسی کے نام سے مشہور ہے، اس ایوان کے بیرونی رخ اور بالائی منار کو مشرقی نپولین نادر شاہ نے سونے سے منڈھایا تھا، اس صحن کے وسط مین اسی کا بنوایا ہوا سنہری گنبد ہے جسکے اندر سنگ مرمر کا ایک حوض ہے، یہ حوض نادر اپنے ساتھ ہرات سے لایا تھا، اس حوض کے متعلق نادر کی وقف کردہ جائداد بھی ہے جسکی آمدنی سے اس حوض مین حوض "باقدرت" سے جو شہر کے باہر ہے پانی آتا ہے،

**نیا صحن** یہ صحن حرم کے بیرون کے سمت مین ہے، اس کا طول ۲۰۷ ہاتھ اور عرض ۹۴ ہاتھ ہے، اسکو فتح علی شاہ قاچار نے بنوایا تھا، اس صحن مین حرم کے متصل ایک ایوان ہے جسکو عضد الملک متولی حرم نے ناصر الدین شاہ قاچار کے حکم سے مطلا کرایا ہے، یہ صحن شیخ بہاء الدین محمد عاملی صاحب کشکول[1] اور ان کے بھائی عبد الصمد[2] کے مقبرہ کے باب قبلہ پر ملتا ہے،

---

[1] ان کا پورا نام محمد بن حسین بن عبد الصمد بن محمد بہائی حارثی ہمدانی جبعی ہے، یہ بزرگ بلند پایہ عالم شاعر ادیب فقیہ اور جامع علوم تھے، معقول و منقول سب مین ید طولی تھا، ان کی متعدد تصانیف مشہور عالم ہین، کشکول، حبل حدیث کی شرح، مفتاح الفلاح، المخلاۃ، پنجشنبہ ۲۷ محرم سنہ ۹۵۳ھ مطابق سنہ ۱۵۴۷ء مین پیدا ہوے اور ۱۲ شوال سنہ ۱۰۳۱ھ مطابق سنہ ۱۶۲۲ء مین ۷۸ سال کی عمر مین وفات پائی،

[2] یہ بزرگ شیخ بہاء الدین عاملی کے بھائی ہین انہین کے لیے شیخ نے نحو مین کتاب الصمدیہ لکھی تھی، شیخ بہاء الدین کی کتاب حبل حدیث کی شرح پر اسکا حاشیہ ہے، سنہ ۱۰۲۰ھ مطابق سنہ ۱۶۱۲ء مین وفات پائی،

# دیوانِ نظامیؔ (گنجوی)

ازجناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی

تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہین کہ مثنویاتِ خمسہ کے علاوہ نظامی کا اور کلام بھی تھا جو آج ناپید ہے،

(۱) دولت شاہ نے اپنے تذکرہ مین ایک غزل نقل کی ہے جسمین نظامی کا تخلص بھی موجود ہے اور لکھا ہے کہ اُن کے قصائد، غزلیات، موشحات اور صنائع وغیرہ کے بیس۲۰ ہزار اشعار ہین[۱]،

(۲) عوفی کا بیان ہے کہ:

"بجز ان چند مثنویون کے نظامی نے بہت کم شعر لکھے ہین، نیشاپور مین مین نے ایک فاضل شخص کی زبانی ان کی ایک غزل سنی تھی[۲]"

اس کے بعد عوفی نے پانچ پانچ شعرون کی تین غزلین درج کی ہین، جن مین سے آخری غزل مین نظامی نے اپنے فرزند دلبند کا ماتم کیا ہے،

(۳) حاجی خلیفہ نے "دیوان نظامی" کا ذکر کیا ہے:-

"دیوان نظامی فارسی للنظامی الگنجی صاحب الخمسۃ الخ[۳]"

(۴) لطف علی آذر نے بھی نظامی کے قصائد اور غزلیات کے منتخب اور متفرق اشعار نقل کئے ہین، اور لکھا ہے کہ نظامی کے کلام مین قصائد، غزلیات اور رباعیات کے کل بیس ہزار اشعار ہین[۴]،

[۱] تذکرۃ الشعراء صفحہ ۱۲۹ مطبوعۂ یورپ [۲] لباب الالباب ج ۲ صفحہ ۳۹۶ طبع یورپ [۳] کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۵۲۲، ۵۲۵ طبع آستانہ،



جو بالفعل نایاب ہین[۱]،

(۵) رضا قلی ہدایت نے نظامی کے تین قصائد (ایک ۴۴ شعر کا، دوسرا ۱۶ شعر کا، اور تیسرا ۳۷ شعر کا) اور تین تین چار چار شعرون کی ۹ غزلین مع ایک رباعی کے نقل کئے ہین[۲]،

(۶) ملا بدایونی[۳] نے نظیری نیشاپوری کے حالات مین لکھا ہے کہ اس نے شیخ نظامی کے قصیدہ کے تتبع مین جسکا مطلع یہ ہے:-

| | |
|---|---|
| ملک الملوکِ فضلم بفضیلتِ معانی | زمی و زمان گرفتہ بمثالِ آسمانی |

ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

| | |
|---|---|
| زہنر بخود نگنجم چو بجُسم مے مغانی | بدر و لباس برتن چو بجو شدم معانی[۴] |

اس واقعہ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مثنویات کے علاوہ نظامی کا اور کلام ہے،

اسی طرح حضرت شاہ نعمت اللہ (۸۳۴ھ) نے بھی نظامی کے اسی قصیدہ کے تتبع مین ایک ۲۱ شعر کا قصیدہ لکھا ہے، اس مین فخریہ طور پر فرماتے ہین:

| | |
|---|---|
| بجہان کجا نظامی کہ بہ طیبتش بگویم | کہ من این ترانہ گفتم تو بگو اگر توانی[۵] |

(۷) مولانا جامی نے نظامی کی ایک غزل (جسکو دولت شاہ نے غالباً انھین کی کتاب سے نقل کیا ہے) درج کی ہے، اور لکھا ہے کہ نظامی سے بہت کم اشعار منقول ہین[۶]،

(۸) زمانۂ حال کے محققین مین علامہ شبلی اور آزاد (مرحومین) اس کے قائل ہین اور مذکورۂ بالا بیانات کی تائید کرتے ہین[۷]،

[۱] آتشکدہ صفحہ ۲۴۲ مطبوعۂ بمبئی [۲] مجمع الفصحاء ج ۱ ص ۶۳۷ طبع ایران [۳] منتخب التواریخ ج ۳ ص ۲۸۳ مطبوعۂ کلکتہ [۴] کلیات نظیری ص ۲۲۳ طبع لکھنؤ ۱۲۹۱ھ [۵] تذکرہ مراۃ الخیال شیر علی خان لودی ص ۱۴۵ تا ۱۴۷ مطبوعۂ بمبئی [۶] بہارستان [۷] دیکھو شعر العجم ج ۱ صفحہ ۲۹۸-۳۰۱، نگارستان فارس صفحہ ۶۶،

(۹) مشہور یورپین مستشرق ڈاکٹر اتھے (ETHE) جس نے انسائیکلوپیڈیا مین نظامی پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے نظامی کے مزید کلام کی شہادت ان الفاظ مین دیتا ہے:-

"نظامی نے مثنوی شیرین خسرو دربار شاہی مین پیش کی اس کے بعد دس سال تک ان کی ذہانت بیکار نہین رہی اور بالآخر ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ء) مین انھون نے اپنا دیوان مرتب کیا، یہ (دیوان) قصائد اور غزلیات کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر اخلاقی اور موعظت آمیز ہین، اُن کی تعداد بیس ہزار بتائی گئی ہے حالانکہ اس (دیوان) کے چند نسخون مین جو کہ ہم کو دستیاب ہوے ہین ایک قلیل تعداد اشعار کی موجود ہے"[1]

(۱۰) ان بیرونی شہادتون کے علاوہ خمسہ مین خود نظامی کے بعض اشعار ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھون نے قصائد اور غزلین لکھی تھین، بلکہ اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا،

(الف) مخزن اسرار مین جوان کی پہلی تصنیف ہے، اپنے کلام کی تعریف کرتے ہوے فرماتے ہین،

شعر نظامی شکرافشان شدہ      در دغزالان غزلخوان شدہ[2]

(ب) شیرین خسرو کے شروع مین طغرل ارسلان کی مدح موجود ہے، اس مین نظامی نے طغرل کو اس کے وزیر اتابک (محمد جہان پہلوان) کی طرف مخاطب کرا کے اپنی قدردانی کے الفاظ محمد کی زبان سے ادا کرائے ہین چنانچہ طغرل نظامی کی تعریف کرنے کے بعد کہتا ہے کہ ایسے زبردست اور نامور شاعر کو ہم نے اپنی جود و بخشش سے کبھی نہین نوازا حالانکہ:

بستی و نہستی را بر غزلہاش      شبے صد گنج بخشم بر مثلہاش[3]

ہم صرف اس کی غزلین (اور پند آمیز مثلین) گانے پر ستی اور نہستی (گانیوالیون) کو ایک رات مین

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۷، ص ۵۲۲ طبع نہم، [2] خمسۂ نظامی ص ۱۸ مطبوعہ بمبئی ۱۳۲۸ھ،
[3] ایضاً ص ۵۴،



دوجیرون انعام واکرام سے مالامال کردیتے ہین،

(ج) قزل ارسلان کے دربار مین جب مثنوی شیرین خسرو پیش کرنے گئے ہین تو قصیدہ لکھکر لیگئے ہین، دربار مین پہونچے تو ارباب نشاط ان ہی کی غزلین گارہے تھے،

غزلہاے نظامی را غزالان      زدہ بر زخمہ ہاے چنگ نالان[1]

پذیرائی کے بعد انھون نے قصیدہ سنانا چاہا، "قاعدہ یہ تھا کہ شعرا اپنا کلام خود نہین پڑھتے تھے بلکہ کسی خوش لہجہ سے پڑھواتے تھے جو ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا تھا اور اس کو راوی کہتے تھے"[2] چنانچہ راوی نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا،

درآمد راوی و برخواند چون دُر      ثناے کان بساط از گنج شد پُر

"یہ بھی دستور تھا کہ جب قصیدہ پڑھا جاتا تھا تو شاعر کھڑا ہوجاتا تھا اور قصیدہ کے ختم ہونے تک کھڑا رہتا تھا، نظامی نے بھی اس قاعدہ کو بجالانا چاہا، لیکن قزل ارسلان نے قسم دلاکر منع کیا"[3]،

چو برپا ایستادم گفت بنشین      بسوگندم نشاند این منزلت بین[4]

(د) لیلی مجنون مین حاسد کی شکایت کرتے ہوے فرماتے ہین:

گر بیت کنم غزل سرائی      او بیش نہد دغل درائی

گر ساز کنم قصائد چست      او بیش نہد قلائد سست[5]

(ہ) اسی مثنوی کے شروع مین لکھتے ہین کہ ایک دن صبح کے وقت جبکہ وہ اپنا "دیوان" دیکھ رہے تھے، قاصد فرمان شاہی لیکر پہونچا کہ قصۂ "لیلی مجنون" نظم کرو:

روزی بمبارکی و شادی      بودم بہ نشاط کیقبادی

---

[1] خمسۂ نظامی ص ۱۹۱ مطبوعہ بمبئی ۱۳۲۸ھ [2] شعر العجم ج ۱ ص ۲۹۲ طبع معارف [3] شعر العجم [4] خمسہ ص ۱۹۲
[5] ایضاً ص ۲۰۷،

ابروی ہلالیم کشادہ — دیوانِ نظامیم نہادہ

آئینۂ بخت پیش رویم — اقبال بشا بہ کردہ نویم

صبح از گلِ سُرخ دستہ می کرد — روزم بنفس خجستہ می کرد

پروانۂ دل چراغ در دست — من بلبلِ باغ دراغ ور دست

براوج سخن علم کشیدہ — در دُرج ہنر قلم کشیدہ

منقار قلم بہ لعل سفتن — دُراج زبان بہ نکتہ گفتن

درحال رسید قاصدا ز راہ — آورد مثال حضرت شاہ[1] الخ

جرمنی مستشرق ڈاکٹر ولہم باخر (BACHER) نے (جس نے نظامی کے حالات میں ایک محققانہ کتاب لکھی ہے) اسی شعر سے استشہاد کیا ہے، کہ نظامی نے لیلی مجنون کی تصنیف (۵۸۴ھ) کے ساتھ ہی ساتھ اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا،[2]

ان تمام شواہد کے باوجود پروفیسر براؤن (آنجہانی) کو اس بات کے ماننے میں تامل تھا کہ مثنوی کے علاوہ نظامی کا اور کلام بھی ہے، چنانچہ لکھتے ہین:

"مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسی تخلص کے کئی شعرا گذرے ہین جنھین ممکن ہے کہ ہمارے اس غلط نگار تذکرہ نویس نے نظامی سمجھ کر لکھ دیا ہو، اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کا کوئی دیوان تھا تو یہ بھی صحیح ہو کہ وہ مدت مدید سے بالکل معدوم اور نایاب ہے[3]"

اس مین شک نہین کہ اسی تخلص کے تین شعرا خود نظامی کے زمانہ مین موجود تھے[4] لیکن صرف یہی دلیل اس بات کو نہ تسلیم کرنے کے لیے کافی نہین ہو سکتی بھر براؤن کا یہ ارک تمام تر دولت شاہ کے متعلق ہے

[1] خمسہ ص ۲۰۲ [2] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد ۲ صفحہ ۴۰۲ [3] ایضاً [4] چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی، آخر مقالۂ دوم،



اور یہ تو ہمین بخوبی معلوم ہے کہ یہ تذکرہ نویس بہت غیر محتاط ہے، اور اکثر غلط و مبالغہ آمیز باتین لکھجاتا ہے لیکن اس سے قطع نظر کرکے اور جو مستند شہادتین ہمارے پاس موجود ہین وہ اس قدر معتبر اور ناقابل تردید ہین کہ ان سے انکار نہین کیا جا سکتا،

اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اگر واقعی نظامی نے اپنا کوئی دیوان مرتب کیا تھا تو کیون اس کے کسی قلمی نسخہ کا پتہ نہین چلتا؟ اگرچہ مذکورۂ بالا بیانات سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ کسی تذکرہ نویس نے ان کا دیوان دیکھا تھا تاہم انھون نے نظامی کا جو کلام نقل کیا ہے وہ بہرحال وہ دیوان کے کسی نسخہ ہی سے نقل کیا ہوگا جو (بقول ان مصنفین کے) بعد مین ناپید ہوگیا،

جہانتک ہمین معلوم ہے ہندوستان کے کتبخانون مین "دیوانِ نظامی" کا کوئی نسخہ موجود نہین ہے البتہ آغا احمد علی صاحب (مرحوم) کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا جسکی نسبت وہ تحریر فرماتے ہین:

"نزد بندہ احمد یک نسخہ دیوان شیخ نظامی گنجوی محتوی بر قصائد و غزلیات و رباعیات عارفانہ کہ تخمیناً ہگی بالصد بیت خواہد بود موجود است و کتابخانہ اہل زو شرفے نامحدود[1]"

پروفیسر ہوتسما (Houtsma) نے دیوانِ نظامی کے تین نسخے دریافت کیے ہین جن مین سے دو آکسفورڈ کی بوڈلین (Bodleian) لائبریری مین موجود ہین اور تیسرا نسخہ ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) کے ذخیرۂ کتب مین سے ہے جو اسوقت برلن (جرمنی) کی پروشین نیشنل لائبریری مین (۶۹۱-۹۲) موجود ہے، میرے خیال مین غالباً یہ وہی نسخہ ہے جس کا تذکرہ آغا صاحب نے کیا ہے[2]، اس نسخۂ دیوانِ نظامی کے متعلق پروفیسر ہوتسما لکھتا ہے:-

"اس ایک جلد مین دو کتابین ہین یعنی دیوانِ ظہیر فاریابی اور دیوانِ نظامی مجلد ہین، دیوان نظامی عمدہ نستعلیق

[1] ہفت آسمان ص ۱۰۰ مطبع ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ [2] ہمین معلوم ہوا ہو کہ ڈاکٹر اسپرنگر ایک عرصہ تک کلکتہ مین رہ چکے ہین اور آغا صاحب کے ساتھ مل کر انھون نے علمی کام بھی کیے ہین، اسی بنا پر یہ قیاس ہو سکتا ہو کہ وہ نسخہ انھون نے آغا صاحب مرحوم سے حاصل کیا ہوگا جو ان ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ان کے کتبخانہ کے ساتھ نیشنل لائبریری مین منتقل ہوگیا،

خط مین لکھا ہوا ہے، اس کا خط دیوانِ ظہیر سے بالکل جداگانہ ہے یہ دیوان ۴۲ اوراق پر مشتمل ہے اور
اس مین کوئی دیباچہ ہے نہ خاتمہ، کلام کی ترتیب حسب دستور ہے، یعنی پہلے قصائد ہین پھر غزلیات پھر رباعیات جنکی
تعداد قلیل ہے عوفی اور جامی کے اقوال کی تصدیق ہوتی ہے کہ مثنویات کے علاوہ اشعار ان نظامی سے بہت کم
منقول ہین، نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ دولت شاہ کا اشعار کی تعداد بیس ہزار بتانا یقیناً مبالغہ ہے، لیکن تعجب ہے
کہ عوفی کے منقول اشعار اس دیوان مین نہین پائے جاتے حضرت جامی کے بیان کردہ اشعار اس مین ملتے ہین ۱؎۔

جامی کے منقولہ اشعار کا اس دیوان مین پایا جانا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ یہ نظامی ہی کا دیوان ہے
چونکہ نظامی نے اپنا دیوان ۵۸۴ھ مین مرتب کیا تھا، اور عوفی کے منقولہ اشعار اس تاریخ کے بعد لکھے گئے ہونگے ایسے
وہ اس نسخہ دیوان مین نہین پائے جاتے لیکن پروفیسر ہوتسما کے بیان کے مطابق پہلے قصیدہ کا مقطع اس دیوان کے
سن ترتیب سے مطابق نہین ہو سکتا، گو تاریخی حیثیت سے اس کا وقوع غیر ممکن نہ ہو وہ شعر یہ ہے:

این بدان وزن دقوافیست کہ گفتست کمال ہر نسیمے کہ بمن بوے خراسان آرد

یعنی یہ قصیدہ نظامی نے کمال کے قصیدہ کے تتبع مین لکھا ہے، یہان کمال سے مراد کمال الدین اسمٰعیل اصفہانی
ہی ہو سکتا ہے، جس نے ۶۳۵ھ (۱۲۳۷ء) مین نظامی سے ۵۰ برس کے بعد وفات پائی ہے، کمال چونکہ خوارزم شاہ
تکمش کے درباری شعرا مین سے تھا، اس لیے اس کو نظامی کا معاصر تسلیم کر لینے مین کوئی دقت نہین پیش آتی، البتہ
ترتیبِ دیوان کی تاریخ سے اس کی مطابقت دشوار ہے، بہرحال اس کے سوا کوئی بات اس دیوان مین ایسی نہین ہے
جو درایۃً عہدِ نظامی کے حالات و واقعات کے مخالف ہو،

کتبخانۂ بادلی کی فہرست مین ایک مطبوعہ نسخہ کا بھی ذکر ہے جو قلمی نسخہ سے بالکل مختلف بتایا گیا ہے:
نسخہ ۱۳۰۳ھ مین آگرہ کا چھپا ہوا ہے، اگر واقعی یہ صحیح اور اصلی دیوان ہے (جو بہت شبہہ انگیز ہے) تو غالباً یہ نظامی کے بعد کے کلام کا انتخاب ہوگا

۱؎ اورنٹیل اسٹڈیز موسوم بہ عجب نامہ مرتبہ آرنلڈ و نکلس ص ۲۴۴ تا ۲۴۴ ۲؎ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ اگر کسی صاحب کے
پاس یہ مطبوعہ دیوان موجود ہو یا اس کے کسی جگہ موجود ہونے کی اطلاع ہو تو براہ کرم ضرور مطلع فرمائین، اختر



# تذکرۂ علی الکرویزی

از

سیّد تسکین کاظمی

علی الکرویزی کی تذکرۃ الشعرا ریختہ کا نام ہی سننے مین آتا ہے بہت کم نسخے لوگون کے پاس ہین
اتفاقاً پرسون ہمین ایک نسخہ مطالعہ کے لیے ملا جو اسوقت پیش نظر ہے، اکثر مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے مگر
تفصیل کم ملتی ہے، گارسن دی تاسی نے اپنی تذکرۃ الشعرا ہند کی دوسری جلد مین بھی اس کا ذکر کیا ہے
افسوس ہے کہ وہ اس وقت ہمارے پیش نظر نہین جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی فرانس جلد پنجم مین بھی
اس کا ذکر ہے، ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست مین لکھا ہے کہ یہ تذکرہ دہلی مین ۱۱۹۶ھ مین انجام کی وفات
۱۱۵۷ھ کے چھ سال بعد لکھا گیا، اس مین ایک سو شعرا کا حال ہے اور میر تقی میر کے تذکرے کو پیش نظر
رکھکر لکھا گیا ہے،

متحف برطانیہ کے کتب خانہ کی فہرست کی تیسری جلد مین کسی قدر تفصیل ہے کہ:
"یہ تذکرہ ۱۱۶۵ھ مین دہلی مین لکھا گیا ہے حروف تہجی کے لحاظ سے ۹۰ شعرا کا حال ہے یہ انڈیا
آفس کی سب سے پرانی کتاب ہے جو ۱۱۸۵ھ کی لکھی ہوئی ہے اس کا ایک دوسرا نسخہ ۱۲۱۶ھ کا معین الدین
جہانگیر پوری کے ہاتھ کا لکھا ہوا بھی موجود ہے جو آزاد سے شروع ہو کر یکرو پر ختم ہوا ہے تیسرا نسخہ ۱۲۱۳ھ ۱۸۰۵ء کا
لکھا ہوا بھی موجود ہے جسکی فہرست مین ۱۰۸ اشعار کے نام ہین، امجد علی پنڈادی نے نقل کیا ہے"
مسٹر ریو کا بیان ہے کہ یہ انڈیا آفس کی سب سے پرانی کتاب ہے جو ۱۱۸۵ھ کی لکھی ہوئی ہے"

مگر ہمارے پیشِ نظر جو نسخہ ہے وہ ۱۱۷۳ھ کا مکتوبہ ہے، اس کے خاتمہ پر لکھا ہے،

"در حیدرآباد فرخندہ بنیاد     در ماہ ذی حجہ     در ۱۱۷۳ ہجری مقدسہ"

اس طرح موجودہ تذکرہ انڈیا آفس کے تذکرے سے پہلے کا منقولہ ہے یعنی سات سال پہلے لکھا گیا ہے، یہ چیز اہمیت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے کہ پیشِ نظر نسخہ مشہور نسخون سے قدیم ہے،

مختصر سی تمہید کے بعد مؤلف نے اپنا نام "علی الحسینی الگرویزی" لکھا ہے، لالہ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرۃ الشعراء ریختہ "چمنستانِ شعراء" مین "فتح علی کردیزی" لکھا ہے اور اپنے تذکرے کی ترتیب مین جابجا اُن کے تذکرے سے مدد لی ہے اور ذکر بھی کیا ہے،

ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے کہ "میر کے تذکرے کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے" مگر وہ خود دیباچہ مین لکھتے ہین،

"از ملاحظہ تذکرہ ہاے اخوانِ زمان کہ مشتمل بر اسامی ریختہ گویان عرصہ تحریر ساختہ اند و علتِ غائی تالیف شان خوردہ گیری ہمسران و ستم ظریفی با معاصران است در اظہار مافی النفس بایجاز پرداختہ بلکہ از عدم اعتقاد قلت تتبع ذکر اکثر نازک خیالان رنگین نگار از قلم انداختہ مع ہذا در تصحیح اخبار و تحقیق احوال اعزہ اغلاط صریح بکار بردہ و خطاہاے نمایان کردہ، بنا بخاطر فاتر رسید کہ تذکرہ مرقوم سازد و می رود دیدہ کی از روے انصاف خالیا الاتساف و اسامی نامی شعراء بترتیب حروف تہجی بنویسد تا حاضران را تذکار و غائبان را یادگار بود در قایلہ نظم

غرض نقشیست کز ما یاد ماند     کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت     کند بر حق این مسکین دعائے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ایک یا ایک سے زائد تذکرے اُن کے پیشِ نظر رہے ہین، یہ امر کہ اُن کے پیشِ نظر کون کون سے تذکرے رہے ہون گے؟ ایک مستقل مضمون چاہتا ہے!

اس تذکرے مین (۹۴) شعراء کا حال ہے جسکی تفصیل یہ ہے،

حرف الف مین (۱۰) بے مین (۸)، پے مین (۲)، تے مین (۲) ٹے مین (۲) ج مین (۱) ح مین (۲) خ مین (۶)



خ مین (۱) د مین (۵) ذ مین (۱) ز مین (۱) س مین (۷) ش مین (۲) ص مین (۳) ض مین (۱) ط مین (۱)

ظ مین (۲) ع مین (۸) غ مین (۱) ف مین (۳) ق مین (۵) ک مین (۳) گ مین (۱) ل مین (۱) م مین (۵)

ن مین (۳) و مین (۱) ہ مین (۱) ی مین (۳)؛

نمونہ کے لیے صرف شعراء دکن کے حالات نقل کیے جاتے ہین اس سے معلوم ہوگا کہ مؤلف نے کیا بات پیدا کی ہے، تحقیق کے جنجال مین پھنسنا پسند نہین کیا، جو مل گیا لکھ ڈالا،

(۱) خوش ذہن بلند استعداد محمد فاضل آزاد زادگاہش دکن است و طبعش موجد سخن ہاے ہمطرح و عمر خود را بآزادگی بسر کردہ

آئین جہان کی ساری آنا د صنعتین پر     جس سے کہ یار رکھتا ایسا ہنر نہ آیا

(۲) فضائل بیگ الہام از تربیت کردہ ہاے سید عبد الولی عزلت است جز این دو بیت کہ در ہجو کلاونت بچی گفتہ است بگوش نرسیدہ است

کلاونتی تیرے گانے سے دق ہون     بہت نیچے سرون سے بولتی ہے
دیکھ ہماری بچی کو ناکارہ     چڑکے گانے لگی کلاونتی

(۳) سید عبد الوہاب بے کل تخلص زادگاہش دولت آباد است و در سخن میر عبد الولی عزلت استاد ایشان اند

میرا دل گل رخون نے سات لے گئے     حنا کا رنگ ہاتھون ہات لے گئے
تیری زلفون نے کئی کئی پیچ سکھلا     دل بے کل کو راتون رات لے گئے
عشق مین کیا ثابتی ہے مجھ دل بیتاب کو     برقرار آتش اوپر دیکھو اُسی سیماب کو
مین سے دل کا رتبہ ہے بڑا تجربہ دیر ستی مین     کہ دل حافظ ہے اُس مصحف کا انکھین ناظرہ خوان ہین
تیری انکھون کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا     دوانون کو کہے کیا کوئی متوالے ہین متوالے

یہ لوگ منع جو کرتے ہین عشق سے مجکو
اُنھون نے بار کبھو دیکھا ہے یا نہین دیکھا

(٤) حبیب مولد و منشاش حیدرآباد است در سخن میر عبدالولی عزلت اُستاد اُسے

قواعد کیا ہی کبھو راست جون تیرا ے کمان ابرو
کشش کر زور سے دل کھینچ پھر کیون چھوڑ دیتے ہو

گلبدن پھول کی مت توڑکے ڈالی آرے
دیکھ ابھی شور کرین بلبل و مالی آرے

(٥) مرزا داؤد از تربیت یافتگان عزلت است اُسے

زلف دلبر سے مجھ کو سودا ہے
خلق کہتی ہے تجھ کو سودا ہے

(٦) گلشن معنی را نخلبند محمد فقیہ دردمند شمع ادراکش برکردہ تجلی مرزا مظہر است دیوانے بزبان ریختہ
جمع کردہ دران تلاشِ معنی رنگین و الفاظ دردآگین نمودہ داد سخن گستری دادہ از چندین رخصت اقامت برگزیدہ
کشیدہ صحبتش با ناظم کوک گردیدہ و در آنجا تو سوحال بسر می برد" سے

پرویز کے شیشہ خانہ عشرت پر
سنگ آیا و لیک سخت آیا فرہاد

کہسار مین جا رہا ہے ناحق کے تئین
پرویز سے جا ملا ہے ناحق کے تئین

کوئی ٹکر پہاڑ سے لیتا ہے
فرہاد کا سر پھرا ہے ناحق کے تئین

(٧) سعدی دکھنی از شعرا قرار دادۂ دکن ہست و آنکہ بعضے اعزہ را بسبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ
ہاے سعدی دکھنی از عدم اعتنا بسبب تتبع، بنام سعدی شیرازی مرقوم ساختہ اند ناشی از جہل و نسخہ است و
او حمی مخلیۃ السنۃ" سے

ہم نے تم کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

(٨) میر سراج الدین سراج نشو و نمایش از خاک دکھن ہست و طبع روشن اش شمع بزم سخن سے

پتھر بھی نہین ہے شرر شوق سے خالی
بے تابی نبض رگ حنا را کی خبر لو

تھرتھراتا ہے ہر سحر خورشید
دیکھ تجھ چہرۂ زری کی طرح



تم پر فدا ہین سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

(٩) مغل خان صنعت از اقربای نواب نظام الملک آصف جاہ ہست و این اشعار بنتیجۂ تابش گوہر

غمزے سے مارتا ہے جلاتا ہے ناز سے
کیا ملکِ حسن کا صنما تو خدا ہوا

(١٠) مصر سخن را عزیز شاہ عزیز اللہ عزیز طبع رسا داشتہ و فکر دا الاشعر را عارفانہ گفتہ و گل و خار چون
گرہ باش شگفتہ" سے

ڈرتا نہین ہون تیغ و کٹاری کے زخم سے
بانکی نگاہ دیکھ تری بل گیا ہون مین

کان نمک ہوا ہون ترا حسن سبزہ دیکھ
لونی برہ کی جب سے لگی گل گیا ہون مین

(١١) صاحب والا فطرت حضرت سید عبدالولی عزلت پسر حضرت سید سعد اللہ قدس سرہ بتصفیۂ ظاہر
باطن فیض است و بہ دریافت علوم کسبی و وہبی مجلی اصلش از معمورۂ بریلی است مولد و منشاش سورت
کتب متداولہ عربیہ آموختہ است و از فارسی نیز بہرہ اندوختہ خوش گو و خوش صحبت کسے است خلاصش
سلامت دارد" سے

نخلِ امید بے وفاؤن سے
دل سلامت پھرے تو پھل پایا

شانہ اس زلف مین پھرتے یہ سخن کہتا ہے
بات کہنے مین شب وصل چلی جاتی ہے

(١٢) معتبر خان عمر، تربیت کردہ ہاے دلی دکھنی است از منصبداران سرکار والا بود و در سخن
کوشش معنی تازہ می نمود" سے

بس کرو زلف کو بہ پشت رکھو
کیا اسیرون کو مار ڈالو گے

باغ مین صرصر سے ہوتا ہی خزان آخر کو دیکھ
عاقبت عاشق کی آہ اے گلبدن برباد ہے

(١٣) نور محمد عاصی از برہان پور طبع سلیم و ذہن مستقیم دارد" سے

بیٹھے ہین ہم کہ اب کہین تم نے بھی دل دیا
بیٹھے کہین ہو بات کہین ہے نظر کہین

(۱۴) میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علی خان عاشق تخلص، مولد و منشاش دکن است و فکرش بلند و گوہرش
ارجمند در مرثیہ حضرت سید الشہدا رضی اللہ عنہ گوید:

ہین شہید کربلا سب سرخ پوش مصطفےٰ کی آل کا کیا رنگ ہے

(۱۵) عارف علی خان عاجز ریختہ را ہموار میگوید در خجستہ بنیاد (اورنگ آباد) می گذارند" ے

تیری برگشتہ مژگان کا خیال آتا ہے یون دل مین دکن کی فوج جو بھاگے پکڑ ہنگاہ مین آیے

وہ دوانا ہون کہ اب شہر کو صحرا سمجھون چترِ شاہی کو بگولے کا چھلا دا سمجھون

یار کے کاکل و رخسار بن ایسا ہون دنگ کہ اندھیرے کو نہ جانون نہ اُجالا سمجھون

مصور نے میری آنسو بھری آنکھون کے نقشے کو پنٹ رور دکے آب گوہر غلطان سے کھینچا ہے

(۱۶) شاہ فضلی دکھنی طبع بلند و فکر ارجمند دارد، برخی از آن بزبان خامہ دبیعنہ کاغذ می سپارد" ے

سجن کو مین کہا ٹک موہ تو دکھلا کہا آئینہ رونے بیٹھ، منہ دیکھ

(۱۷) قاسم دکھنی از تربیت کردہ ہاے عزلت است" ے

دیکھ مجھ چہرۂ طلا کا رنگ اڑگیا آج کہربا کا رنگ

مین ہار دیا جان تجھے مولسری کا اک دام بھی تجھ سے نہ لیا مولسری کا

(۱۸) سید خلیل قادری ریختہ را ہموار میگوید در دکھن بسر می برد" ے

خوش لگا جب سے فقر کا کمبل پشم کر بوجتا ہون دنیا کو

(۱۹) "نواب خوجم قلی خان ذوالفقار الدولہ موزون تخلص از دکن است طبع موزون دارد" ے

موزون نے راہِ عشق مین اب پھر قدم رکھا ہے مصلحت سے دور بجا نوکر یگا کیا

(۲۰) میر میران مخاطب بہ سید نوازش خان ظاہر از دکن است" ے

آہ اگر باغ مین وہ سروِ خرامان گذرے اشک قمری کا گلستان مین طوفان گذرے



(۲۱) مظہر کمالات خفی و جلی محمد ولی در دکن چہرۂ ہستی افروختہ اند بدو شعور دولت معنی اندوختہ، کمان نبرد در
سخن را بہ نبردی فکرت کشیدہ و ناوک اندیشہ اش بہدف معنی رسیدہ ہر چند اشعار آبدارش زیب صفحۂ لیل و نہار است
و گوشوارۂ مواقع[1] سخن سرایان روزگار لیکن بنا بر الزام[2] بہ تحریر بیتے چند با یجاز اختصار پرداخت"

مذکورہ بالا اقتباس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تذکرہ کس نوعیت کا ہے ہم نے صرف نقل نویسی کی ہو
بعض عبارتی غلطیان بھی نظر آتی ہین جا و رکسی نسخہ کو پیش نظر رکھ کر مقابلہ کرنے سے رفع ہو سکتی ہین
اختتامی عبارت دیکھیے،

"الحمد الموفور المتم الامور کہ این تالیف روح فزا زیب اتمام گرفت و زینت اختتام پذیرفت و حالات شریف
و مقالات لطیف ریختہ گویان حسن انجام و حلیۂ انصرام یافت لیکن بر خاص و عام از ذرہ تا خورشید روشن است
کہ احصای افراد این نوع احاطۂ اشخاص این فوق طلب بشری است واسامی شعرای نامی کہ بجیطۂ
تحریر و حوزۂ تسطیر آمد بحسب استقرا، علم خود بودہ والا احقران را تتبع و تفحص چون منی متکفل نمی توانند شد"

زیر نظر نسخہ "خواجہ غلام رازیخان حو سلمہ[3] الرحمان" کے حسب الارشاد "در ذی حجہ ۱۳۰۳ھ مین منتقل ہوا ہے
اس مین بعض اہم ترین غلطیان بھی ہین وہ یہ کہ مؤلف نے دکھنی شعراء کے اشعار مین تبدیلی بھی کردی ہے چونکہ
یہ تذکرہ دہلی مین لکھا گیا ہے ممکن ہے کہ دکھنی اشعار دہلی پہونچتے پہونچتے بدل گئے ہون، مرزا داؤد کا شعر اس طرح
لکھا گیا ہے؛

زلف دلبر سے مجھکو سودا ہے خلق کہتی ہے تجھ کو سودا ہے

دراصل داؤد کا شعر یہ ہے؛

زلف دلبر سون مجھ کون سودا ہے لوگ کہتے ہین تجھ کون سودا ہے

بظاہر یہ ایک معمولی چیز ہے، مگر "سون" کو "سے" سے بدلنے اور "کون" کو "کو" سے بدلنے سے شعر مین قدامت باقی نہین رہتی اور دکنیت ظاہر نہیں ہوتی ہے
علی الکریزی کی چند اردو تصانیف محبی مولوی عمر الیافعی صاحب کے پاس ہین اور جناب موصوف اس تذکرہ کو بھی طبع کرنا چاہتے ہین؛

# پٹنہ کے بکھرے ہوئے موتی

از مولوی سید محمود دبیر صاحب، بی اے ال ال بی پٹنہ

یوں تو پٹنہ میں ہزار ہا اہل دول پڑے ہوئے ہیں، لیکن اس شہر پر خدا بخش خاں مرحوم نے جو احسان کیا وہ آج تک کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ اُن کی لائبریری آج بھی پٹنہ کے لئے باعثِ فخر ہے، لیکن اس بات کا علم بہت کم حضرات کو ہوگا کہ درِ بے بہا کے ہزار ہا دانے شہر عظیم آباد کی گلیوں میں اب بھی بکھرے پڑے ہیں، اور کوئی دوسرا خدا بخش خاں پھر پیدا نہیں ہوتا جو انکو چنکر ایک مالا میں پرو دے۔ اگر اسوقت بھی کوشش کیجائے تو اس سے بہتر لائبریری اسی پٹنہ میں بن سکتی ہے، میں نے ابتک اپنے بیسیوں اصحاب سے فرمائش کی کہ مختلف قلمی کتابوں پر چھوٹے چھوٹے مضمون لکھکر معارف میں بھیجدو کہ اس طور سے دنیا چُھپے ہوئے خزانہ سے واقف ہو جائے گی، میں نے ایک دفعہ پہلے ایک ادھورا سا مضمون پٹنہ کے غیر معروف کتب خانے کے عنوان سے معارف میں لکھا تھا، لوگوں پر اسکا اچھا خاصہ اثر ہوا، جن دو حضرات کی میں نے انہیں خبر لی تھی کہ وہ اپنے کتب خانہ کو دیہات میں برباد کر کے ایک قومی تباہی کے باعث ہو رہے ہیں، اُن دونوں نے معافی مانگی، اور مطلع کیا کہ اُن کی سب کتابیں اب شہر میں آگئی ہیں، اس طور سے اگر ہم تمام نادر الوجود کتابوں کا پتہ لگا کر بطور خفیہ پولیس کے معارف کو مطلع کریں، اور اڈیٹر صاحب اپنے بے پناہ قلم کو تھوڑی حرکت دیں، تو اس ساری تغافل شعاری کا خاتمہ ہو جائے، میرا خیال اس بارہ میں بالکل بالشویک نما ہے، میں قلمی کتابوں کو ایک قومی ورثہ سمجھتا ہوں، چاہے کسی کے پاس ہوں، اگر کوئی شخص اُن کی خبر گیری نہیں کر سکتا ہے، تو اُسے لازم ہے کہ قوم کے پاس واپس کر دے، اہل قلم کسی خاص خاندان کے لئے باعثِ شہرت نہیں ہے، بلکہ وہ ایک پوری قوم کے لئے مایۂ ناز ہیں،

اسی شہر میں متعدد ایسے حضرات موجود ہیں، جن کے پاس قانون کی کتابیں کم سے کم ایک لاکھ روپیہ کی ہیں، یہاں ایسے سو اصحاب ہوں گے، جنکے پاس انگریزی ناول، ڈرامے، ادب، قانون، کی کتابیں نی کس کئی ہزار روپے سے زیادہ



کی موجود ہیں، اکثر ان میں ماشاء اللہ ایسے ہیں جو ان کتابوں کے صرف اسٹنے خریدار بنے ہیں، چونکہ ایک انگریز کتب فروش اُن کے مکان پر جلوہ افروز ہو کر اُن کی عزت افزائی کر گیا ہے، اور دورانِ گفتگو میں یہ کہنے لگا کہ مسٹر فلاں نے مجھکو اتنے کا آرڈر دیا ہے اور مسٹر فلاں آپ کی ادب دانی کی خاصی تعریف کر رہے تھے، بس کیا تھا باچھیں کھل گئیں، اثر اس انگریزیت کا جس نے ہمکو مسحور کر دیا ہے، اور ہمارے دماغ کو ایسا مختل کر دیا ہے کہ ہم اس جنون غلامی کو عقل و فراست سے تعبیر کرتے ہیں، میں انگریزی لائبریری کا مخالف نہیں ہوں، لیکن ہاں کوئی قوم اپنے افراد کے اس قصور کو کبھی معاف نہیں کر سکتی، کہ انگریزی کی فضول کتابوں سے آپ اپنے کتب خانوں کو زینت دیتے رہیں، اور کلام الٰہی کے بہترین نسخے جو فنون خطاطی کے بہترین نمونے ہیں پچیس تیس روپیوں میں مارے پھریں اور کسی مسلمان کو خریدنے کا حوصلہ نہ ہو، آخر کار غیر مسلم حضرات کے یہاں جا کر بکیں جو اسکے لئے دس دس ہزار روپے تک دینے کے لئے اسی پٹنہ میں تیار بیٹھے ہیں، لوگ شوق سے انگریزی کتابیں خریدیں، لیکن انہیں کیا حق ہے کہ قوم کا روپیہ غیر ملک میں ہزاروں کی تعداد میں بھیجیں، اور یہاں کے غریبوں کو چند پیسے بھی نہ مل سکیں، ضرورت ہے کہ قوم کے خیالات کو جنبش دیجائے اور ان قلمی خزانوں کو غیر ملک میں جانے سے روکا جائے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزی لائبریری ہمارے آقاؤں کی خوشنودی کا باعث ہوگی، میں انہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اُن کے آقاؤں نے بھی اپنے خیالات بدل دیئے ہیں اور پرانی چیزوں کی دستیابی کے لئے وہ بیحد کوشاں رہتے ہیں، خود پٹنہ میں مسٹر مانک ایک آنریبل بیرسٹر نے اپنی پوری کوٹھی لاکھوں روپے کی پرانی چیزوں سے بھا دی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ جب کبھی کوئی وائسرائے پٹنہ میں آتا ہے تو چاہے وہ کسی راجہ مہاراجہ یا نواب کے یہاں جائے یا نہ جائے مسٹر مانک کے یہاں حاضری دینی ضرور ہے، واقعی ان کی کوٹھی پرانی تصویروں، پرانے کپڑوں، اور ہر قسم کی پرانی نادر الوجود چیزوں سے مزین ہے، کاش ہمارے رؤسا اور بیرسٹران جو اپنے موٹروں، اپنے محلات، اور اپنے غیر ملکی اسباب نشاط پر بیحد نازاں ہیں، اپنی آنکھیں کھولکر دنیا کو دیکھیں، شہر پٹنہ میں ایک مارواڑی بزرگ Jalan نامی نے بھی قریب قریب ایک لاکھ روپیہ اپنے اسی شوق میں خرچ کیا ہے، اُن کے پاس بھی کلام مجید کا ایک نسخہ چار انچ لانبا اور دو انچ چوڑا موجود ہے، اسکے علاوہ آٹھ دس قلمی کتابیں بھی ہیں، پُرانی تصویروں، پُرانے کھرل، اور پیالے، گلاس اور ان اقسام کی دوسری چیزوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں ہے، ان کو نادر چیزوں کا شوق ہے، جو صوبہ کے گورنر کو اکثر اُن کے مکان پر کھینچ لاتا ہے، اور ہمارے یہاں کے پُرانے خاندانوں کے رؤسا

بڑی حسرت کیساتھ یہ کہتے ہوئے سُنے گئے، کہ گورنر صاحب جیلان بابو کے یہاں اکثر آجاتے ہیں، یہ بدقسمت حضرات بجا سمجھتے ہیں کہ جس دلیز پر میری رسائی بھی نہیں ہو اُسکا خود مکین ایک تاجر کے مکان پر آیا کرتا ہے۔

پٹنہ میں جو کچھ کتابیں بچی کُچی موجود ہیں، وہ اکثر ہندو رؤسا کے یہاں ہیں، اسکی وجہ یہ ہو کہ زمانۂ گذشتہ میں صوبۂ بہار کی امارت میں ہندو رؤسا کا بہت بڑا حصہ تھا، اور اُن میں اکثر صاحب فراست و اہل فہم تھے، انہیں بہت سے فارسی و عربی کتابوں کو اس لئے رکھتے ہونگے، جسطرح سے آج کل کے مسلمان، رؤسا اور بیرسٹر انگریزی کتابوں کو رکھتے ہیں، غرض وجہ کوئی بھی ہو، یہ کتابیں اُن کی لائبریریوں میں پائی جاتی ہیں، لیکن بڑی دقت یہ ہو کہ اُن میں سے اکثر گھرانے تعصب کی تاریکی میں گرتے جارہے ہیں، اسلئے بھی فارسی و عربی کتابوں کو وہ دکھلا کر ایک غیر ہند و تہذیب کی شہرت کے باعث نہیں بننا چاہتے ہیں، میں اپنے کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے اکثر کتب خانوں میں جانیکا اتفاق ہوا، اور جیسے جیسے پتہ لگتا جاتا ہے، اکثر جایا کرتا ہوں، میں نے انجمن ترقی اردو پٹنہ کی توجہ کو اسطرف مبذول کرائی ہو، اور یہ تجویز پیش کی کہ ایک نہ ستا کرنیوالا منشی باضابطہ طور سے مقرر کیا جائے، جو ان تمام قلمی کتابوں کی فہرست قائم کرے، جو اس پٹنہ میں موجود ہیں، تجویز کی مخالفت تو کسی نے کی نہیں، لیکن مالی مجبوریوں کیوجہ سے اب تک عمل میں نہ آسکی،

اب ان چند کتابوں کا حال سنئے، جو حال میں میری نظر سے گذری ہیں۔

( ۱ ) ایک ہندو رئیس جنکا خاندان ایک زمانہ سے برسرِ اقتدار چلا آتا ہے (لیکن جنکا نام میں اسلئے نہیں بتا سکتا کہ انہوں نے مجھ سے اخفا کا وعدہ لے لیا ہو، اُن کے خیال میں زیادہ شہرت سے کتابیں غیر محفوظ ہوجاتی ہیں) کے یہاں میں حاضر ہوا، پوری لائبریری تو وہ اُسوقت نہ دکھا سکے، لیکن دو کتابیں انہوں نے ایسی دکھائیں، جن سے مجھے چکا چوند لگ گئی، ایک مہابھارت کا وہ قلمی نسخہ تھا، جسے اکبر شہنشاہ دہلی نے فارسی میں ترجمہ کرایا تھا، ہر صفحہ کے بعد ایک دوسرا صفحہ تھا، جسمیں تصویروں کے ذریعہ سے پورے قصہ کی وضاحت کی گئی تھی، تصویریں کیا تھیں، یہ وہی شخص بتا سکتا ہے، جو اس علم سے واقف ہو، تعداد سنئے، صرف اس جلد میں ایک ہزار تصویریں تھیں، کیسی محنت اور کتنا روپیہ لگا ہوگا، اسکا اندازہ آج کوئی نہیں کرسکتا، کاش یہ تصویریں بذریعہ فوٹو کے اُتار لی جاتیں، اور دنیا دیکھتی کہ ہندوستان میں



جہانِ مغلوں" کا دور بھی کتنا تمدن زار تھا۔

مہابھارت کے علاوہ شاہنامہ کا ایک نسخہ بھی انہوں نے دکھایا، یہ کتاب بھی دیکھنے کے لائق تھی، اُسے بھی شہنشاہ اکبر ہی نے اپنے لئے تیار کرایا تھا، شہنشاہ اکبر کا تذکرہ دونوں کتابوں میں موجود ہو، اُنمیں بھی پانچسو قلمی تصویریں تھیں، ہر تصویر فن تصویر کشی کا اعلیٰ نمونہ ہے

( ۲ ) کنور جگدیش بہادر (جنکا خاندان خود شہنشاہانِ دہلی کے یہاں ملازم تھا) کا گھرانا بھی ایک قیمتی کتب خانہ سے مالامال ہے، اُن کے یہاں محض سرسری طور سے میں نے دو کتابیں دیکھیں، ایک علم موسیقی پر تھی، علم موسیقی کو تصویروں کے ذریعہ سے بتایا گیا تھا، اور تمام اقسام کے راگ نہایت وضاحت سے تصویر کے ذریعہ سے دکھائے گئے تھے،

ایک دوسری کتاب میں بیگماتِ دہلی کا روزنامچہ تھا، وہ صبح اُٹھکر کیا کرتی ہیں، اور رات تک اُن کی زندگی کیونکر گزرتی ہو، بیگمات کا نام، اُنکا پورا حال اور اُن کی طرزِ زندگی کا پورا بیان، اگر یہ کتاب شایع ہوجائے، تو یقیناً تاریخ کا ایک ضروری عنوان پورا ہو۔

کنور صاحب نے اپنے ایک دوست حکیم نجم الدین صاحب صادق پوری کو اپنی بہت سی کتابیں عنایت کردی ہیں، اور جناب حکیم صاحب نہایت عمدگی سے ایک قیمتی کتب خانہ قائم کررہے ہیں، خدا اُن کی کوششوں کو بارآور کرے،

( ۳ ) میرے ایک دوست سید شاہ عبد المجید (جو مرحوم "پیغام پٹنہ" کے مدیر تھے) اُن کے پاس بھی دو قیمتی کلام مجید کے نسخے ہیں، ایک سات فٹ لمبا اور چھ انچ چوڑا ہی، بس ایک صفحہ میں پورے تیس پارے نہایت باریک لیکن نہایت خوشخط دیکھنے کے لائق ہیں، عقل کام نہیں کرتی ہو کہ کیونکر ہاتھ سے اتنے باریک حروف لکھے گئے، اُن کے یہاں ایک سونار نے اس قیمتی خزانہ کو دس روپیہ میں فروخت کیا تھا، سونار کو ایک سونے کا وہ لمنا دجوا ز دل ہستہ گا میں صوبہ بہار میں استعمال ہوتا ہے) ملا تھا اُسی میں یہ پایا گیا تھا،۔

دوسرا نسخہ بھی ایک قرآنِ پاک کا ہی، اُسپر تاریخ ۹۰۳ھ کی ہی، اگر یہ تاریخ صحیح ہی، تو دنیا میں اسکا مقابل نسخہ شاید ہی مل سکے۔

( باقی پھر کبھی )

# سلطان محمد عادل شاہ

(۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ)

از

جناب سعیدی بی اے (علیگ)

که تا بقای تو جاوید باد — لوای تو برتر ز خورشید باد

سزد تخت گاہت فضائے سپہر — منور بانوار رخسار مہر

ہمان بہ که سیر مہ و خور مدام — موافق بہ حکمت شود صبح شام

**نسب خاندان عادل شاہیہ**

جب ہم تاریخ سلاطین عادل شاہیہ پر نظر ڈالنا چاہتے ہین تو سب سے پہلی اور اہم چیز جو ہماری توجہ منعطف کر لیتی ہے وہ خاندان عادل شاہیہ کے نسب کی تحقیق ہے، یہ امر اس قدر مختلف فیہ رہا ہے کہ کوئی قطعی رائے اس کے متعلق اب تک قائم نہین ہوئی، اس وقت جبکہ ہم اس خاندان کے ایک بادشاہ کے حالاتِ زندگی تحریر کرنا چاہتے ہین، ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم ان تمام متضاد بیانات اور مختلف روایات کو بیان کرکے ان سب پر ایک مورخانہ اور تنقیدی نظر ڈالین اور بہ دلائل و براہین یہ ثابت کرین کہ کونسی روایت زیادہ قرینِ قیاس اور قابلِ قبول ہے،

خاندان عادل شاہیہ کا بانی جس نے ملک کرناٹک مین اپنی سلطنت قائم کی، اور تمام لوازم شاہی انجام دئے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا، یوسف بیگ تھا، اس کے نسب کے متعلق مورخین نے اختلاف کیا ہے جس کی وجہ سے صحیح رائے قائم کرنا مشکل ہوگیا ہے، بعض تاریخون مین مرقوم ہے کہ ابوالمظفر یوسف عادل شاہ ترکمان مورث خاندان عادل شاہیہ، اولاد سلاطین روم مشہور بآلِ عثمان سے ہے[1]،

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۱۲ اور بساتین السلاطین ص ۵



۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء (بقول فرشتہ ۸۵۴ھ) مین سلطان مراد بادشاہ ترکی کی وفات کے بعد سلطان محمد حسب وصیت تخت نشین ہوا، وہ نہایت لائق اور علما و فضلا پرور تھا، اسکی مدح مین مولانا جامی نے کئی قصیدے لکھے ہین سلطان محمد کا ایک چھوٹا بھائی یوسف تھا جو باعتبار حسن وجمال یوسف ثانی تھا، سلطان محمد اپنے چھوٹے بھائی کو بیحد چاہتا تھا اور کبھی اپنے سے جدا کرنا پسند نہین کرتا تھا، لیکن امرائے سلطنت نے متفق اللفظ ہوکر خلوت مین عرض کیا کہ اس طرح اپنے بھائی سے جو دعویدار سلطنت ہو محبت رکھنا گویا آستین مین سانپ پالنا ہے، اور یہ بات مفاد شاہی کے بیحد منافی ہے، چونکہ ایام سلطنتِ مراد مین ایک شخص نے دعوی کیا تھا کہ وہ مصطفے ابن یلدرم ہے، اور قریب تھا کہ اس مدعیِ سلطنت کی وجہ سے فساد و تزلزل، دولتِ عثمانیہ کے ارکان مین پڑے لہذا بہتر یہی ہے کہ ولیعہد کے سوائے دوسرا شخص اولاد شاہی سے بقید حیات نہ رہے تاکہ اس سے فساد و فتنہ نہ پیدا ہو،

چونکہ اس زمانہ مین اس ملک مین رواج تھا کہ بادشاہ وقت کے سوا دوسرا شخص اولاد شاہی سے زندہ نہ رہنے پائے، اس لیے بادشاہِ وقت کی وفات پر تمام شاہی نرینہ اولاد کو باستثنائے ولی عہد تہ تیغ کر دیا کرتے تھے لہذا سلطان محمد مجبور ہوگیا، اگر ہم اس رسم کے متعلق ذرا غور سے دیکھین تو معلوم ہوگا کہ یہ خونین وظالمانہ رسم نہ صرف ترکستان مین رائج تھی بلکہ اور ممالک مین بھی اسکا پتہ چلتا ہے، چنانچہ تاریخ متقابلہ (COMPARTIVE HISTORY) اس امر کو واضح کردیتی ہے کہ یہ قرون وسطی کی ایک نمایان خصوصیت تھی،

گو سلطان محمد، یوسف کو بہت عزیز رکھتا تھا، اور نہین چاہتا تھا کہ چھوٹے بھائی کے خون سے اپنا دامن آلودہ کرے لیکن سلطنت کے مشیرون نے کچھ اس طرح نشیب و فراز سمجھائے اور ایسا دباؤ ڈالا کہ سلطان محمد مجبور ہوگیا، اور اس نے کہا کہ اس امر مین دو بڑی مشکلات ہین، اول تو قتلِ ناحق، دوسرے یہ کہ اس صدمہ سے میری والدہ ماجدہ کا کلیجہ شق ہو جائے گا، اس لیے جب تم مجبور کرتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ تم ہی اس قضیہ نامرضیہ کو میری والدہ کے سامنے بیان کرو، مین کہان سے ایسا پتھر کا جگر لاؤن کہ یہ بات پیارے بھائی کے متعلق اور وہ بھی کسی اور کے سامنے نہین بلکہ اپنی والدہ ماجدہ کے سامنے منہ سے نکالون، لہذا بہتر یہی ہے کہ والدہ سے اس باب مین استصواب کیا جائے

چنانچہ امراے سلطنت یوسف کی ضعیف والدہ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور ادھر ادھر کی باتین کرکے اپنے مطلب پر آئے، یوسف کی مان یہ گفتگو سنکر کلیجہ تھام کر بیٹھ گئی، بھلا ایسی کونسی مان ہوگی جو اپنے عزیز فرزند کو بلا وجہ قتل ہوتا ہوا دیکھے، لیکن وہ عاقلہ تھی، تاڑ گئی کہ مین لاکھ انکار کرون، مگر جب کہ یہ سب اس غریب کی جان لینے پر تلے ہوئے ہین تو بھلا کب ٹلنے والے ہین، جوان کے منھ سے نکلا وہ ہو کر رہے گا، کچھ دیر بحرِ تفکر مین غوطہ زن رہ کر آخر دل مین کچھ سوچ کر کہا کہ خیر تم سب کی جو صلاح ہے وہی میری بھی ہے، ع صلاح ما ہمہ آنست کان صلاح شماست مگر مجھ خستہ جان کو کم سے کم آج ایک رات کی مہلت دو کہ مین اتنی دیر اسے نظر بھر دیکھ لون، اور چھاتی سے لگا کر ذرا اپنا کلیجہ تو ٹھنڈا کر لون، کل تمھارے حوالہ کر دون گی، یا خود مین اپنے ہاتھ سے چھاتی پر پتھر رکھکر اس کا کام تمام کر دونگی ارکانِ دولت نے دیکھا کہ کام بنگیا تو والدۂ سلطان کو اس قدر مہلت دینے مین کوئی امر مانع نہ دیکھکر اس کو منظور کر لیا، اور چلتے ہوئے یوسف کی والدہ نے نہایت دور اندیشی سے کام لیکر سوچا کہ مترس از بلا کہ شب درمیان است، قضائے کردگار، حسن اتفاق سے ساوہ کا ایک تاجر خواجہ عماد الدین محمود گرجستانی جو کہ ہمیشہ ایران سے تحف و تحائف، مال و اسباب اور لونڈی غلام روم لاکر اس کی سرکار مین بیچا کرتا تھا، اس وقت وہین مقیم تھا، یوسف کی مان جو بڑی دانشمند و مستقل مزاج تھی، اور عورتون کی طرح گھبرا نہین گئی، بلکہ خاص مقصد کو پیش نظر رکھکر اسے طلب کر کے یہ بات کہی کہ اگر چند بکری کے غلام تمھارے ہان ہون تو میرے پاس لاؤ، تاجر نے عرض کیا کہ میرے پاس (۵) غلام گرجی اور (۳) چرکسی غلام موجود ہین پھر انھین حکم کے موافق حاضر کیا، ان دو چرکسی غلامون مین سے ایک ہو بہو یوسف کی شکل و شمائل اور اسی سن و سال کا تھا، مخفی طور پر خرید کر کے اصل معاملہ سے سوداگر کو آگاہ کر کے یوسف کو اس کے حوالہ کیا، اور بہت کچھ زر و جواہر دے کر اپنے بچہ کی نگہداشت اور پرورش کی تاکید کی اور کہدیا کہ راتون رات چھپ چھپاتے شہر سے اپنے وطن کی طرف چلے جاؤ، یوسف کی مان نے اس نئے غلام کو اپنے گھر مین اس طرح داخل کیا کہ کسی کو کانون کان خبر بھی نہ ہوئی، آدھی رات کے وقت اس نے اس بیچارہ

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳



غلام کو زہر دیکر مار ڈالا، زہر کے سبب سے غلام کا سارا رنگ اس قدر نیلا پڑ گیا کہ چہرہ تمیز نہین ہوتا تھا، آدھی رات کے بعد محل مین رونا پیٹنا پڑ گیا کہ یوسف کا یکایک انتقال ہو گیا، اعیان و ارکان اس خبر کو سنکر جب حرم سرا پر حاضر ہوئے تو وہ مسموم لاش حوالہ کر دیگئی،[1] لیکن فرشتہ لکھتا ہے کہ دوسرے دن جب اعیان و ارکان حرم سرا کے دروازہ پر آکر ایفاے وعدہ کے طالب ہوئے تو اس ضعیفہ مدبرہ نے اس جماعت سے ایک شخص کو جو مزید اعتقاد و اعتبار مین مشہور تھا، اور جسکو بہت کچھ نقود و جواہر دیکر ہمخیال بنا لیا گیا تھا، اندر طلب کیا اور اس نے غلام کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا،[2] بہر حال کسی طرح کیون نہ خاتمہ کیا گیا ہو، شاہانہ تزک و احتشام سے مراسم تجہیز و تکفین ادا ہوئے،

بھاگ ان بردہ فروشون سے کہان کے بھائی
بیچ ہی ڈالین جو یوسف سا برادر پائین

سچ تو یہ ہے کہ ہمیشہ یوسف کو اپنے بھائیون سے آزار ہی پہنچا اور اس کو ان سے ڈرتے ہی رہنا پڑا، حضرت یوسف علیہ السلام کو آپکے بھائیون نے پہلے کنوین مین ڈالدیا پھر ایک قافلہ کے ہاتھون فروخت کر دیا، وطن سے بے وطن کیا، لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو اس واقعہ کے بعد ہی عروج حاصل ہوا اور وہ عزیزِ مصر بنے، اسی طرح جب یوسف اپنے وطن سے نکل گیا تو اسے یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ اس نے دکن مین ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ایک عرصہ تک قائم رہی.

خواجہ عماد الدین گرجستانی مال کی طمع یا حقوق دیرینہ کی رعایت سے اس امر پُر خطر پر راضی ہو کر راتون رات نکل کھڑا ہوا، اور منزل بعد منزل طے کرتے ساوہ پہنچا، وہان اس نے شہزادہ کی تربیت و پرورش اور خدمتگزاری مین کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، اس وقت شہزادہ کی عمر سات سال تھی، سوداگر کو یوسف سے بے انتہا محبت ہو گئی،[3] اور اس کے علو رتبت کے موافق اسکی تعلیم کا انتظام کیا، ایک سال کے بعد[4] شہزادہ کی والدہ نے بیتاب ہو کر یوسف کی دایہ اپنے ایک معتمد اور بعض دوسرے اشخاص کو ساوہ روانہ کیا، دایہ تو وہین ساوہ ہی مین رہ گئی، باقی لوگ خیر خیریت لیکر واپس چلے گئے، اس خبر کو سنکر شہزادہ کی والدہ لوازمِ شکر و سپاس بجالائی، بہر حال اسی طرح

[1] بساتین السلاطین ص ۹ [2] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳ [3] بساتین السلاطین ص ۶ [4] لیکن فرشتہ نے دو سال کے بعد لکھا ہے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ جلد دوم،

قاصد ہر سال قسطنطنیہ سے شہزادہ کی خبر خیریت لینے کو آیا جایا کرتے تھے[1]، لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنی بڑی بات دبی رہتی،
شدہ شدہ یہ خبر حاکمِ شہر ساوہ کو پہنچی، لیکن فرشتہ حاکمِ ساوہ کو خبر پہنچنے کی یہ وجہ لکھتا ہے کہ جب یوسف کی خبر خیریت
پہلی دفعہ یوسف کی والدہ کو ملی تو اس نے سجدۂ شکر بجا لا کر بہت سے لوگوں کو اسبابِ فراوان کے ساتھ ساوہ
کی طرف بھیجا، ان دنوں خواجہ عماد الدین سفرِ ہندوستان کے لیے گیا ہوا تھا، اب گھر کے دوسرے لوگوں کو بھی یہ راز
معلوم ہو گیا، اور رفتہ رفتہ اسکی اطلاع حاکمِ ساوہ کو ملی[2]، یہ ایک طماع شخص تھا، اس خبر کے سنتے ہی اس کے منہ میں
پانی بھر آیا، طرح طرح سے سوداگر کو ستانا شروع کیا، خواجہ اس اذیت و تکلیف سے تنگ آکر ساوہ کو خیرباد کہہ کر ایک
دوسرے قصبہ قم میں شہزادہ کو لیکر چلا گیا، ع

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

تھوڑے ہی عرصہ بعد حاکمِ ساوہ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، صفحۂ دنیا سے دشمن کے اٹھ جانے کے بعد خواجہ
نے پھر ساوہ کو لوٹنا چاہا، لیکن یوسف کو خواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے آکر بشارت دی کہ "اے یوسف ساوہ
کا ارادہ فسخ کر کے ہندوستان کی طرف جا، تیرا شجرِ مراد وہین بارآور ہو گا، تھوڑی سی تکلیف و صعوبت کے بعد انشاء اللہ
راحت ہی راحت ملے گی، اور آگے چل کر تاجِ شاہی تیرے زیبِ سر ہو گا"، یوسف نے خواجہ سے اس خواب کا ذکر
نہیں کیا، لیکن ہندوستان چلنے پر ایسا اصرار کیا کہ اسے ماننا ہی پڑا، اور ۸۶۳ھ ہجری میں حضرت یوسف علیہ السلام
کی طرح کنعان و اخوان سے قطع نظر کر کے وطن کا نقش لوحِ دل سے یک قلم مٹا کے بندر ترون مشہور بہ ہرمز کے
راستہ سے عازمِ ہندوستان ہوئے، اور سیدھے ساحل بندر مصطفیٰ آباد دابل پر پہنچے اور وہاں کئی برس تک حالتِ
کس مپرسی میں پڑے رہے، ایک دن یوسف سیر و شکار کے لیے لبِ دریا نکل گیا، تشنگی غالب ہوئی تو کیا دیکھتا ہے
کہ وہی بزرگ، جنکو خواب میں دیکھا تھا، ایک جامِ آبِ شیرین لیے ہوئے تشریف لائے اور کہا کہ "اسے پی لے" اور پھر
مکرر فرمایا "جو خواب تو نے پہلے دیکھا ہے وہ رویائے صادقہ ہے، کچھ اندیشہ نہ کر اور خدائے پاک کے فضل و کرم

۱؎ بساتین السلاطین ص ۳۲ ، ۲؎ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۱ و بساتین السلاطین ص ۳ ،



کا امیدوار رہ[1]"، جب وہ پانی پینے میں مصروف تھے[2] تو وہ بزرگ نظروں سے غائب ہو گئے[3]، یوسف یہ مژدۂ جانفزا سنکر
پھولے نہیں سمایا، خواجہ عماد الدین کے ہمراہ بیدر کی طرف روانہ ہوا، ان دنوں بیدر میں ملک التجار خواجہ علاء الدین محمود
گیلانی جو آگے چلکر خواجہ جہان اور خواجہ گاوان کے نام سے مشہور ہوا سلطنت بہمنیہ کا وزیر اعظم تھا، خواجہ عماد الدین
اور خواجہ محمود گاوان دونوں ہموطن تھے اور ان کی بڑی گہری دوستی تھی، اس رابطۂ سابقہ کے لحاظ سے بیدر
میں بھی ان کے درمیان گہرے تعلقات پیدا ہو گئے، خواجہ گاوان نے یوسف کو وجیہ، حسین اور خوش خصلت
و نیک سیرت دیکھکر، اور اس کی نوجوانی و لیاقت سے متاثر ہو کر ایک دن خواجہ عماد الدین سے کہا کہ تم نے اس لڑکے
کو بیکار بٹھا رکھا ہے، بہتر یہ ہے کہ اسکو بادشاہی چیلوں کے جرگہ میں شریک کرا دیا جائے، اسلیے کہ موقع اچھا ہے
یہ اپنی وجاہت ظاہری اور شرافت و جوہر ذاتی سے بہت جلد ترقی کرے گا اور تھوڑے ہی دنوں میں دیکھنا
کہ کہاں سے کہاں پہنچتا ہے، خواجہ عماد الدین نے پہلے تو اسکو باعثِ ننگ و عار سمجھکر پس و پیش کیا، لیکن پھر راضی
ہو گیا، چنانچہ خاص بادشاہی چیلوں میں شامل ہو گیا[4]،

اسی طرح اس واقعہ کو مرزا احمد ساوی (رساوجی ؟) نے اپنے باپ غیاث الدین محمد وزیر یوسف عادل شاہ سے
نقل کیا ہے، اور جو کچھ نواب شاہ جمال الدین حسین بن شاہ حسن انجو سے روایت کی ہے وہ مصدق ہے، نیز جواہر
نام ایک ضعیفہ نے جو اپنی ماں کی طرف سے شاہانِ بہمنیہ سے اور باپ کی طرف سے شاہ نعمت اللہ ولی سے نسبت
رکھتی تھی، فرشتہ کے والد سے بیان کیا کہ میں آغازِ شباب کے زمانہ میں شہر بیدر میں بی بی ستی دخترِ یوسف عادل
شاہ، زوجہ احمد شاہ کی خدمت میں حاضر تھی، چونکہ جشن طوے تھا اس لیے اکثر عورتیں خاندانِ شاہی کی اس انجمن
میں موجود تھیں، چونکہ سلاطین بہمنیہ میں یہ قاعدہ تھا کہ پہلی بیوی کو ملکۂ جہان کا خطاب دیتے تھے اور اکثر وہ
شاہی خاندان ہی سے ہوا کرتی تھی، اور اس قسم کے جلسوں کی صدر نشین وہی ہوا کرتی تھی اس لیے اس رسم کے
مطابق بی بی ستی جو ملکۂ جہان کا خطاب رکھتی تھی موتیوں کی سراسری زیبِ فرق کیے، تمام خواتین بلکہ شہزادیوں سے مقدم

۱؎ بساتین السلاطین ص ۷ ، ۲؎ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۲ ، ۳؎ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳ و بساتین السلاطین ص ۳ ،
۴؎ تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۵ ،

بیٹی تھی، اس واسطے خاندان بہمنیہ کی ایک عورت نے عین جلسہ مین جھنجھلا کر کہا کہ سبحان اللہ یوسف عادل خان کی
کو یہ رتبہ حاصل ہوا کہ شہزادیون پر ملکۂ جہان بنکر تفوق حاصل کرے، بی بی ستی نے جواب دیا کہ اگر تم شہزادیان ہو تو
بھی شاہانِ روم کی اولاد سے ہین، اور مذکورۂ بالا روایت حاضرینِ مجلس کے روبرو بیان کی، جب اس کی خبر امیر
برید کو جس کی عادت مین سرکشی داخل تھی پہنچی تو یہ خیال کرکے کہ جو روایت بی بی ستی نے بیان کی ہے اور جس کو بہت
قلیل عرصہ گذرا ہے اس کی تحقیقات کرنا آسان ہے، اس کی تصدیق کے لیے ایک شخص کو برسم تجارت سلطانِ روم
کے ہان بھیجا اور اس شخص نے روم پہنچکر شاہی خاندان کی کہن سال عورتون سے اس کے متعلق دریافت کیا، اور یہ بات
ثابت ہوگئی کہ حقیقۃً یوسف عادل خان شاہانِ روم کی اولاد سے ہے[1]

(باقی)

## تاریخ فقہ اسلامی

از مولانا عبد السلام ندوی

اس مین ابتداے نبوت سے لیکر آج تک ہر دور کی فقہ اور فقہاء کے کارنامون پر مکمل تبصرہ کیا گیا ہے جس
کی ترتیب مین بڑی مدد ملسکتی ہے، ضخامت ۴۰۹ صفحے، قیمت للعہ

## خلفائے راشدین

از مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

اس مین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاروقؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حالات ذاتی، سوانح اخلاق
فضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی، دینی کارنامے اور فتوحات کی بہ تفصیل لکھے ہین جنکو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۰ سالہ تاریخ پوری
سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفائے راشدین کے کمالات، فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہو جاتے ہین ضخامت ۵۰۳ صفحے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ قیمت

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص



# تلخیص و تبصرہ

## موجودہ مشاہیرِ عالم

زمانۂ قدیم سے یہ مذاق چلا آتا ہے کہ لوگ بڑے بڑے لوگون کی شخصیتون پر مختلف حیثیتون سے بحث کرتے
ہین، ان کی ہم پایہ ہستیون سے ان کا مقابلہ کرتے ہین، ان کی سوانحعمریان لکھتے ہین کہ ان کی داستانین آنے والی نسلون
کے لیے ایک دلچسپ موضوع ہوتی ہین، اس دستور کو پیش نظر رکھکر اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا موجودہ زمانہ مین کسی حیثیت سے
کوئی ایسی ممتاز شخصیت ہے جسکو تاریخ خلعتِ دوام بخش کر آئندہ آنے والی نسلون کے لیے چھوڑ جائے؟ تو یقیناً اس کا جواب
اگر محال نہین تو دشوار ضرور ہے اور اختلافِ مذاق نے اس کو دشوار تر کر دیا ہے، لوگون کا مذاق اس درجہ مختلف ہے کہ
اگر یہ سوال چند ناقدین کے سامنے پیش کیا جائے تو ان مین سے ہر ایک کا جواب دوسرے سے مختلف ہوگا، پھر بھی موجودہ
دور کے ناقدین یورپ اس پرانی سنت کے احیاء سے غافل نہین ہین، حال مین اس موضوع پر دو مضمون شائع ہوئے
ہین، ایک ایمیل لدوغ (جرمنی) کا جنکو جدید یورپ کا کارلائل کہا جاتا ہے، اور دوسرا لارڈ آکسفورڈ (انگلستان) کا
ہر دو اول الذکر نے اپنے جرمن نقطۂ نظر سے موجودہ زمانہ کے بہت کم اشخاص کو خلعتِ دوام کے قابل سمجھا ہے، اور اس کے
بالمقابل لارڈ آکسفورڈ نے زیادہ تر اپنے ملک و وطن کی بہت سی ممتاز شخصیتون کو اسکا مستحق سمجھا ہے لارڈ موصوف نے
نے موجودہ عہد کے اپنے ہمزبان (انگریزی) مضمون، ادیبون، اور
شاعرون مین برنارڈ شا، ہربرٹ، ٹامس ہارڈی، کپلنگ، سر جارج ٹریولین، لارڈ ہلڈن، سر جیمس بری، سر جیمس فریزر، لارڈ
بالفور، رابرٹ برڈگز، اور آرنلڈ کا تذکرہ کیا ہے،

معلوم نہین لارڈ موصوف نے آئرلینڈ کے مشہور شاعر ییٹس کو جنھون نے چند سال ہوئے نوبل کا انعام حاصل کیا ہے کیون

نظر انداز کر دیا، باوجودیکہ بہت سے ایسے اشخاص کا ذکر کیا ہے، جنکو یہ امتیاز حاصل نہین ہوا، اس کے بعد وہ علماء کی طرف متوجہ ہوتے ہین، اور طبیعیات اور مادہ کی ترکیب کے انقلاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ سر جوزف ٹامسن اور سر ارنسٹ رزفورڈ، کو اس انقلاب مین تمام دنیا کے علماء سے زیادہ دخل ہے، پہلے نے بجلی کا اکتشاف کیا اور دوسرے نے مادہ کے جدید طریقۂ ترکیب کے قواعد منضبط کیے، ممتاز انگریز علماء مین سر آلیور لاج، مشہور ریاضی دان اڈنگٹن پروفیسر ریاضیات کیمبرج یونیورسٹی "ایسٹروپ" کے نظریون مین ان کے مباحث مشہور عام ہین، اور مشہور ماہر فلکیات پروفیسر جینز کا تذکرہ کیا ہے،

لارڈ موصوف خطابت و تقریر کی تین قسمین کرتے ہوئے لکھتے ہین، کہ کنیسون کی خطابت پستی کے انتہائی حدود کو پہنچ چکی ہے، ان مین ایسے واعظ کیاب ہین جو لوگون کو اپنی طرف مائل کر سکین، صرف دو مقرر الف انج، اور ڈاکٹر ہنسن اس سے مستثنیٰ ہین، اول الذکر لندن کے ایک گرجا کے واعظ ہین، واعظون کی مذمت کرتے ہوئے رقمطراز ہین کہ برطانوی امیر البحر لارڈ فشر، اتوار کے دن پابندی کے ساتھ گرجا جاتے تھے، ان کو اس مین اس قدر غلو تھا کہ ایک دن مین تین گرجون مین شریک ہوتے تھے، لیکن اگر آج یہ بھی قبر سے اٹھ آئین تو ان کی پابندی باقی نہ رہے،

عدالتون کی قانونی تقریر مین اقتضاے زمانہ کے مطابق انقلاب ہو گیا ہے، گذشتہ زمانہ کے وکلاء اور بیرسٹر اپنے موکلون کے مقدمات کو بلاغت کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دیتے تھے، لیکن موجودہ زمانہ مین بلاغت اور قوت جواب کے بجائے بحث، تحقیق، مقدمات کے اجزاء کی تحلیل، دلائل کی قوت اور مقدمہ کے پہلے کے متعلقات وغیرہ پر کامیابی کا مدار ہے، اور اسی طریق تقریر پر بڑے بڑے مقدمات فیصل ہوتے ہین،

ہان ہماری پارلیمنٹون کا میدان خطابت و تقریر کے لیے بہت وسیع ہے، لیکن پٹ، برگ، فوکس، اور شریڈن کے زمانہ مین اس کا کمال ہو چکا،

موجودہ دور کے مقررون پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہین کہ دار الامراء مین مجھ کو ونسٹن چرچل کے سوا کوئی دوسرا بلند بانگ خطیب نظر نہین آتا،

بالفور ڈ اور برکنہڈ ہاؤس آف لارڈس مین چلے گئے جہان سیاست کے کارزار مین شمشیر خطابت کی چمک ہم ...



ہماری پارلیمنٹون مین یہ حیرت انگیز بات ہے کہ مزدور جماعت مین کوئی بلیغ اور بلند پایہ مقرر نہین نظر آتا، ان کے علاوہ دوسرے علمی شعبون کے اشخاص ہین مثلاً ارباب سیاست، فوجون کے کمانڈر، جہازون کے کپتان، اڈیٹر، بینکر اور دوسرے ارباب صنعت و حرفت اس حیثیت سے کہ ان کی شخصیتین ذمہ دار ہین، کوئی امتیازی درجہ نہین رکھتے،

اٹلی، ہسپانیہ اور روس کی چند خود مختار ہستیان مسولینی، پریمو ڈے ریفرا، اور لینن اس سے مستثنیٰ ہین لینن مر گئے اور اپنے سردارانہ تفوق کی روح تقسیم کر گئے جس کو اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق روسیون نے تقسیم کر لیا، اور آجکل روس کے سیاہ و سپید کی وہ جماعت مالک ہے جسکی باگ ڈور سٹالین کے ہاتھ مین ہے،

افسوس ہے کہ لارڈ اکسفورڈ نے بلند نظری سے کام نہ لیا، اگر وہ اپنی نظر کو اپنے ملک سے باہر ذرا اور وسعت دیتے تو ان کی فہرست انتخاب مین ذیل کے نامون کا اور اضافہ ہو جاتا،

ادیبون مین، ڈانتزیو، اور برنڈھو (اٹلی) رومان رولان (فرانس) نوٹ ہمسن (ناروے) ہوپٹمان اور مان (جرمنی) عام علوم مین بوہر، پلانگ، میڈم کوری، اڈیسن، مارکونی، نوگوچی، برانلی، ارہینیوس، اور مالکن، فلاسفہ مین برگسن اور ڈیوی، مقررون مین فورڈگ (امریکہ) پوئنکارے، بریان، سعد زاغلول، اور دولت مندون مین فورڈ اور راکفیلر اور اہل سیاست و تدبر مین مازاریک اور مصطفےٰ کمال،

"م"

## عزم و ارادہ کی کمزوری

عزم و ارادہ کی پستی ایک قسم کی کمزوری ہے، جو انسان مین پیدا ہو جاتی ہے، اور اس کو اس کے فرائض کی ادائگی سے روک دیتی ہے، ایسے لوگون کو جب وہ سرکش قوتین جو کسی قانون اور نظم کی پابند نہین ہین، اور لوگون پر ظلم و ستم کرنے مین باک نہین رکھتین، انسانون کے حقوق پامال کرتے وقت ان کے دل خوف خدا سے خالی ہوتے ہین، معمولی طمع دلاتی ہین، تو یہ بزدل اپنے حق اور اپنی شرافت اور عظمت سے دست بردار ہو کر ان کے قوت و بازو بن جاتے ہین، اس مرض کے مبتلا عوام کے مصالح کو پس پشت ڈالکر محض دوسرون کے آگے سر خم کر کے ان کے حصول مقاصد کا ذریعہ بن جاتے ہین، یہ مرض ابتداء مین ان کی قوت فیصلہ مین پیدا ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ان کے نفسی مرکز مین راسخ ہو کر قوت

فیصلہ کو بالکل معطل کر دیتا ہے، اس وقت یہ کسی چیز کے متعلق نہ کوئی صحیح رائے قائم کر سکتے ہین، نہ حقوق کا صحیح استعمال کر سکتے ہین خصوصاً وہ صفات جنکا تعلق تہذیب نفس، فضائلِ اخلاق اور ان محاسن سے ہے، جو مرد کو صحیح معنون مین مرد بناتے ہین، بالکل سلب ہو جاتے ہین، مشرق مین یہ بربادکن مرض صرف انھین نتائج تک محدود نہین رہتا، بلکہ مریض مین مکر و فریب ریا، جھوٹ، اور چغل خوری جیسی دنی اور پست خرابیان پیدا کر دیتے ہین، یہ مرض بہت سے مشرقی ملکون مین عام ہے، مگر مغرب سے مدت ہوئی فنا ہو چکا، اور آج مغربیون کے اخلاق گل و نسرین کی طرح نکہت بار ہین،

افراد کی طرح یہ مرض ان حکومتون مین بھی پیدا ہو جاتا ہے، جو ذاتی منفعت کو رائے عامہ پر مقدم رکھتی ہین اور اس کا سب سے اہم مقصد حکومت کا قیام ہوتا ہے، کچھ لوگ اس کو ایسے ملجاتے ہین جو عوام کی مصلحت کو پس پشت ڈالکر محض ذاتی فائدہ اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے حکومت کے آلۂ کار بنتے ہین، اسوقت حکومت نہایت بدنما صورت اختیار کر لیتی ہے اور اپنے اہم فریضہ یعنی جمہور کی فلاح و بہبود اور ان کی خیر خواہی کے بجائے تخریب پر آترائی ہے ایسے وقت مین ملک کے آزاد خیال، اہل الرائے اور مدبرین سختیون کی وجہ سے ان درمیانی فریب کارون کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہین، اور ملک کی باگ ان بے راہ رو مفسدون کے ہاتھ مین آجاتی ہے، اور پھر فتنہ و فساد کا دور شروع ہو جاتا ہے، برسرِ اقتدار ہونے کے بعد ان کو اپنے مظالم اور ملکی خیانت پر نکتہ چینی کرنے والون سے دل کھول کر بدلہ لینے کا موقع ملتا ہے، اور یہی طوائف الملوکی کا زمانہ اور ملک، قوم، اسکی دولت، اس کے محاصل کو نون کی طرح گھن اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتا ہے، ملک کا وقار گھٹ جاتا ہے اور قوم کی عظمت گر جاتی ہے، اور چارون سے حریفون کی نظرین اٹھنے لگتی ہین،

انھین خامیون نے مشرق کو مصیبت مین مبتلا کر رکھا ہے، یہ خامی نہ صرف قوم پرورون کو نقصان پہنچاتی ہے، بلکہ خود ان کمزور ارادہ والون اور اس قانون کو بھی جو شخصی مصالح کو قومی مصالح پر ترجیح دیتا ہے بدلہ دیتا ہے،

یہ افسوس ناک نتائج سب اس مرض کا نتیجہ ہین، جو تمام مشرقیون کے عزم و استقلال مین پیدا ہو گیا ہے،

اگر یہ لوگ اپنے عزائم مین استقلال و پختگی پیدا کرین اور اپنے پیدائشی حقوق کے حصول مین ثابت قدمی سے آگے



اور متذبذب ہو کر درمیانی رکاوٹون اور لالچون کو ٹھکرا دین، تو میدانِ مسابقت مین یقیناً وہ کامیاب ہونگے، اور فتحمندی کا تاج ان کے سر پر ہوگا، اور عزت و شہرت ان کے قدم لین گے،

عزم کی قوت اور ارادہ کے استقلال مین سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ انسان کا نفس کامل ہو جاتا ہے، اور تکمیل نفس کے بعد اسکی قوت کا سرچشمہ کبھی خشک نہین ہوتا اگر کبھی اتفاقی کمی بھی آگئی تو جب تک اسکی کشتِ آرزو سیراب نہ ہوگی، اور اس کا مقصد حاصل نہ ہوے گا اس وقت تک وہ برابر ہر کمی کے بعد نئے سرے سے پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے اُبلتا رہے گا،

جب کوئی شخص کسی کام کے لیے عزم بالجزم کر لیتا ہے تو پھر اس کی نظر مین چھوٹے بڑے، مشکل، آسان، اعلیٰ اور ادنی سب کام برابر ہو جاتے ہین، اور اس کو خطرناک سے خطرناک انجام بھی خوفزدہ نہین کر سکتا، بلکہ سخت خطرات اس کے عزم اور ارادہ کو اور زیادہ برانگیختہ کر دیتے ہین، اور وہ اس فتحمند فوجی کی طرح جو اپنے سخت ترین دشمن کو پچھاڑ کر غلام بنا چکا ہو، وہ جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھکر فلاح و کامیابی کا جھنڈا اپنے ہاتھ مین لے لیتا ہے۔

م،

## نوبل کا انعام

ہنگری کے مشہور عالم کیمیا الفریڈ نوبل نے ڈائنامیٹ کی مہلک ایجاد سے بہت بڑی دولت کمائی، اور ۱۸۹۶ء مین اپنے مرنے سے چند سال پیشتر اس کے کفارہ کے طور پر ۴ ہزار پونڈ کی رقم وقف کی، کہ اس سے دنیا کے مشہور طبیعیون طبیعیات کے ماہرون اور کیمیا کے عالمون، اور ادیبون اور امن و آشتی کے علم بردارون کو جنھون نے ان شعبون مین کوئی خاص کمال اور امتیاز حاصل کیا ہو بلا قید قوم، ملک اور مذہب کے اس کو انعامات دیے جائین،

یہ انعامات سب سے پہلی مرتبہ نوبل کے مرنے کے ۵ سال بعد ۱۹۰۱ء مین تقسیم ہوے، ادب کا انعام سلی پرودم کو، طبیعیات کا پروفیسر رنتجن کو، کیمیا کا فانٹ ہوپ کو، اور طب کا ڈاکٹر بہرنج کو ملا،

یہ انعامات شروع سے لیکر اب تک ۲۷ مرتبہ تقسیم ہوے ہین، اور اب تک یہ ۱۴۱ مردون اور ۴ عورتون کو ملے ہین،

فن کے اعتبار سے ۳۰ طبیبون اور فزیالوجی کے ماہرون کو، ۲۳ ماہرین طبیعیات کو، ۲۳ ماہرین کیمیا کو، ۲۷ فضلائے ادب کو اور ۲ صلح و آشتی کے جد وجہد کرنے والون کو ملے،

ملک کے لحاظ سے یہ ۳۰ جرمنون، ۲۴ فرانسیسیون، ۱۲ انگریزون، ۹ ہنگریون، ۸ امریکنون، ۷ سویزرلینڈ والون، ۶ اہل ڈنمارک، ۵ ہالینڈ کے باشندون، ۴ بلجیم، ناروے، اور اسٹریا کے لوگون کو، ۳ ہسپانیہ والون، ۲ پولینڈ کے باشندون اور ایک روسی کو ملا،

ملک اور فن کے تناسب سے ادب کے ۴ انعام برطانیہ، فرانس اور جرمنی کو ملے، اور ۲ ڈنمارک ہنگری، ناروے اور پولینڈ کو ملے، امن و امان کے اکثر انعام فرانس کو ملے (اس لیے کہ اس کی جنگی قوت سب سے زیادہ ہے) اس کے بعد سویزرلینڈ اور ممالک متحدہ امریکہ کا نمبر رہا،

صنف کے لحاظ سے ۵ انعام عورتون نے حاصل کئے، ان مین سے ۲ طبیعیات اور کیمیا کے میڈم کوری کو ملے، اور ایک ادب کا ہنگری کی ایک عورت سلمی کو ملا، اور امن و امان کا ایک انعام بھی ایک عورت نے حاصل کیا، ۱۹۲۶ء کا ادب کا انعام ایک ایطالی عورت کو ملا،

ملک کی تقسیم مین ایک نام ہندوستان کی قسمت مین ادب و شاعری کے انعام کا آنا چاہیئے تھا، جو رابندر ناتھ ٹیگور کو ملا ہے، اگر ہندوستان کا یہ چاند انگلستان کے گرہن مین چھپ گیا ہے، اور وہ بھی انگریزون کے نامۂ اعمال مین داخل ہو گیا ہے،

---



# اخبارِ علمیہ

## لفظ ڈاکٹر

آج کل ڈاکٹر کا لقب، متعدد علوم وفنون کے ماہروں کو یونیورسٹیاں دیتی ہیں، مگر اس لفظ کے ابتدائی معنی اسقدر عام نہیں ہیں، ڈاکٹر لاطینی زبان کا ایک لفظ ہے، جسکے اصلی معنی معلم اور استاد کے ہیں، قرون وسطی میں یہ لقب فقہیات اور منطق کے معلموں کے لئے مخصوص تھا، جو اس زمانہ میں لاطینی زبان میں ان دونوں علموں کی تعلیم دیا کرتے تھے، اور جب لاطینی ہی زبان میں طب کی بھی تعلیم شروع ہوئی، تو طبیبوں کو بھی ڈاکٹر کہنے لگے، اقانون کے کامیاب علما کو ڈاکٹر کا لقب سب سے پہلے ۱۱۳۰ء میں بولونی (فرانس) میں دیا گیا، پھر اس لفظ نے یہانتک وسعت اختیار کی کہ اب فلسفہ، زبان، تاریخ، موسیقی اور دوسرے علمی شعبوں کے ماہروں کو بھی یہ لقب دیا جانے لگا،

## کلوں اور مزدوروں کی باہمی جنگ

جیسے جیسے آلات اور کلوں کی ایجادوں میں ترقی ہورہی ہے، مزدور انسانوں کے کاموں میں کمی پیدا ہوتی جارہی ہے پہلے تمام کام انسان اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے، اور اسلئے مزدوری پانیوالے انسانوں کی تعداد زیادہ تھی، مگر جیسے جیسے آلات اور کلوں میں ترقی ہوتی جاتی ہے، مزدور انسان ایک حیثیت سے بیکار ہوتے جاتے ہیں، اس انقلاب کی تازہ مثال یہ ہے کہ ۱۹۱۶ء میں امریکہ کے ایک مشہور موٹر سازی کے کارخانہ میں ۶۵۰ موٹر روزانہ تیار ہوتے تھے، جنکے بنانے کے لئے ۷۰۰۰ مزدوروں کی ضرورت پڑتی تھی، اب بعض نئے آلات کے اضافہ نے ایک طرف کام کی مقدار بڑھادی، اور دوسری طرف مزدوروں کی تعداد گھٹا دی، اب اسی کارخانہ میں روزانہ ۱۵۰۰ موٹر تیار ہوتے ہیں اور ان کے لئے صرف ۵۰۰ مزدوروں کی ضرورت رہ گئی، کیا آپ اس سے دنیا کے کسی نئے انقلاب کی پیشینگوئی

کر سکتے ہین،

## ہلون کی قوت مین اضافہ

ہل، ہم نے تو ابھی زراعت مین بیلون کے چکر ہی سے نجات نہین پائی ہے لیکن امریکہ مین بیل اور گھوڑے اس کام سے تقریباً آزاد ہو چکے ہین، اور آج کل اس بات کی کوشش کیجا رہی ہے کہ کوئی ایسا ہل کا آلہ ایجاد کیا جائے جس سے ایک دن ایک ہزار ایکڑ زمین جوتی جا سکے،

## ڈارون کا مکان

مشہور نظریہ ارتقا کا انگریز مفکر سر چارلس ڈارون جس مکان مین رہتا تھا، اس کے متعلق چند مہینے ہوئے کہ شاہی انجمن کے ایک مقرر سر کیتھ نے یہ تحریک کی تھی کہ اس کو قومی چندون سے خرید کر قوم کے نام وقف کر دیا جائے، یہ تجویز ابھی زبان سے نکلی ہی تھی کہ ڈاکٹر براؤن نامی ایک شخص نے سر کیتھ کو تار دیا کہ وہ اس مکان کی خریداری اور قیم کی پوری رقم بلا شرکت غیرے خود ادا کرنا چاہتے ہین، اور اس کو توڑ کر اسی طرز کا بنوا دینا چاہتے ہین، جس طرز کا وہ ڈارون کے زمانہ مین تھا، یہ گھر آجکل لڑکیون کا مدرسہ ہے، اور پروفیسر فرانسیس ڈارون کی ملکیت ہے، اور اس کی قیمت کا اندازہ صرف ۱۵ ہزار پونڈ ہے،

## تعلیم یافتہ کتّا،

شیخ سعدی نے آج سے صدیون بیشتر کہا تھا،

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکان گرفت مردم شد

ہم اب تک اس کو محض شاعری سمجھ رہے تھے، لیکن امریکہ کے عجائب زار نے اس کو واقعیت کر کے دکھا دیا، ایک امریکن کے پاس ایک جرمن کتا ہے، اس کو اس کے مالک نے چار برس کی تعلیم مین تین سو لفظ سکھا دیے ہین، اور جو کچھ ان الفاظ کے ذریعہ اس کو کہا جاتا ہے، وہ اس کے فہم کا ثبوت دیتا ہے چنانچہ کتے کے مالک نے اپنے اس تعلیم یافتہ کتے "کو" کو کمبیا یونیورسٹی مین امتحان کی غرض سے پیش کیا، یونیورسٹی کے پروفیسرون نے اس کے تین سو الفاظ کی ڈکشنری کا امتحان لیا، اور شاگرد نے اپنے فہم کا علمی ثبوت پیش کیا، مثلاً اس سے کہا گیا کہ کمرہ مین جاؤ" چلا گیا، "ادھر آؤ" چلا آیا، وغیرہ،



## مچھلی کا تیل

مچھلی کا تیل ابتک تقویت کے لیے انسانون کے کھانے مین آتا تھا، اب اس سے جلانے کے کام کا بھی تجربہ کیا جا رہا ہے، چنانچہ اس تجربہ مین کامیابی ہوئی ہے، اس تیل مین جو بدبو ہے، وہ جلنے کے وقت محسوس بھی نہین ہوتی، اور ہوا مین نہین پھیلتی، اس بنا پر قیاس کیا جا رہا ہے کہ وہ شاید آیندہ پانی کی یہ مخلوقات خشکی پر آگ پیدا کرنے کے کام مین آسکے،

## کمی خون کی غذائی دوا،

طبی تجربون سے یہ ثابت ہوا ہے کہ کمی خون (فقر دم) کے علاج کے لیے بہترین غذائی دوا جانورون کے جگر اور گردے ہین، بلکہ جگر کا فائدہ گردون سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ جگر مین خون کے زندہ کرنے اور خون کے سرخ ذرات کی تولید کی قوت زیادہ ہے، اگو گردون مین لوہے کا جزء جگر سے تین گنا ہے، لیکن لوہے کی حسب ضرورت مقدار جسم دوسری معمولی غذاؤن سے حاصل کر لیتا ہے،

## فولاد کاٹنے والا الماس

دنیا مین سب سے زیادہ سخت چیز آہنی فولاد ہے، لیکن ایک ایسی چیز بھی ہے جو فولاد کو بھی دو ٹکڑے کر دیتی ہے اور یہ سیاہ الماس ہے، اس لیے لوہے کے کارخانے سیاہ الماس کے لیے جو نہایت نادر الوجود ہے، زیادہ سے زیادہ قیمت خرچ کرنے کے لیے تیار رہتے ہین، سیاہ الماس لوہے کو اس طرح کاٹ دیتا ہے جس طرح چھری پنیر کو، سیاہ الماس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آرہ کی نوک پر ایک طرف لگا دیا جاتا ہے، آرہ کا آلہ چکر کی طرح گھومتا ہے اور میلون تک پھیلے ہوئے لوہے کو کاٹ کر رکھدیتا ہے، اور باوجود اس کے الماس کا یہ ٹکڑا ذرا بھی نہین گھستا،

## زندگی کا اصلی راز ہنوز راز ہی

چیکاگو یونیورسٹی نے ایک کتاب شائع کی ہے، جس کو اس کے سولہ پروفیسرون نے مل کر تصنیف کیا ہے، اور جس مین علوم و فنون کی ترقیون کی تفصیل کی ہے، اس کتاب مین ایک فقرہ یہ ہے، "ہم پر فرض ہے کہ ہم نہایت عجز کے ساتھ یہ کہدین کہ زندگی کا اصلی راز اب تک لاینحل ہے، اس کے حل کرنے کے لیے بہتر سے بہتر جو طریقہ ہمارے پاس ہے، وہ ہنوز ابتدائی مفروضات ہین، زندگی کی ابتدا اور آغاز کی حقیقت کی گرہ ابتک ناخنِ عقل سے کھل نہین سکی ہے، اور جمادات اور زندہ مخلوقات کے درمیان جو ناقابلِ عبور خلیج حائل تھی وہ اب تک اُسی طرح ہے"،

## دنیا کے پانچ بڑے شہر

دنیا مین آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے پانچ شہر ہین، دنیا کا سب سے بڑا شہر لندن ہے، جس کی آبادی ...۴۵،۷ ہے، اس کے بعد نیویارک ہے، جسمین ۵۶۲۰۰۰۰ کی تعداد انسانون کی آباد ہے، تیسرا درجہ برلن کا ہے جس کی آبادی چالیس لاکھ ہے، اس کے بعد پیرس کا نمبر ہے جس کے رہنے والون کی تعداد ۲۸۵۶۰۰۰ ہے، اور سب سے آخری بڑا شہر چیکاگو ہے جس کے باشندے ۲۵۴۷۰۰۰ ہین،

## اسپین کا ایک نیا عربی سفرنامہ

محمد لبیب البتونی ایک مصری فاضل نے اسپین کی سیاحت کے بعد عربی زبان مین اپنا ایک سفرنامہ ترتیب دیا ہے، اس مین عمارتون کی تصویرین بھی ہین، کتاب کے بعض اہم ابواب حسب ذیل ہین، اسپین کا تمدن عربون سے پہلے، عربون کی شادی اسپینی عورتون سے، اسپین کی فاضل خواتین، اسلام، مذہب، اور فلسفہ کے اکابر علماء، اسپین مین عبدالرحمان داخل کو ابلیس کی خبر، بنو الاحمر آخری اسلامی سلاطین اسپین اور ان کی تاریخ، عربی کتابون کی تحریف، عربون کی کمزوری کے اسباب، اسپینی زبان مین عربی الفاظ، مصنف کا اندازہ ہے کہ مسلمانون کی حکومت کے عہد مین قرطبہ کی آبادی پچاس لاکھ سے زیادہ تھی، اس شہر مین دو ہزار مسجدین تھین، اور چونکہ یہان مسجدین مدرسون کے کام مین آتی تھین، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف ایک شہر قرطبہ مین کتنی درسگاہین تھین۔



# ادبیات

## "لیلائے من"

پروفیسر محمد اکبر منیر، گورنمنٹ کالج، ملتان،

پروفیسر منیر کا مجموعۂ کلام جو جدید فارسی کی فصیح زبان مین ہے، اور جسکی اہل زبان تک نے قدر کی ہے، "ماہ نو" کے نام سے مطبع معارف مین زیر طبع ہے،

...تو مہرِ نہان لیلائے من! لیلائے من! — مُوے تو جُوے کہکشان، لیلائے من! لیلائے من!

...جہان را بوستان، مُویت دلان را آشیان — خوش آشیان خوش بوستان، لیلائے من! لیلائے من!

...رت روح و جان، وصلت بہشت جاودان — ہجرت عذاب عاشقان، لیلائے من! لیلائے من!

...در نظر، چون در دلان داری گذر؟ — ہستی نہان ہستی عیان، لیلائے من! لیلائے من!

...گلزار من، تو آہوے تاتار من، — کردم نگاہت نیم جان، لیلائے من! لیلائے من!

...نور درداد مے، شد مست نغمہ جان چونے — قربان مستانت جہان، لیلائے من! لیلائے من!

...زدی در جان و تن، شد خلوتِ من انجمن — کردی جہان در دل نہان، لیلائے من! لیلائے من!

...جان و دل را باختم، باد رعشقت ساختم — تو ہمچنان نامہربان، لیلائے من! لیلائے من!

...نقاب انداختی، عشاق را نواختی — کردی بہارِ ما خزان، لیلائے من! لیلائے من!

عشقِ منیر افسونِ تو، عالم ہمہ مجنونِ تو

بازآن نگاہ دلستان، لیلائے من! لیلائے من!

# عندلیب

از جناب عبداللطیف صاحب شاد مبمبئی،

لائی ہے رنگ کیا تپِ پنہانِ عندلیب
فصلِ بہار و نوبتِ بحرانِ عندلیب

بجلی سے مٹ گئی تپِ پنہانِ عندلیب
اچھا ہے یہ طریقۂ درمانِ عندلیب

مطبوعِ گل ہے نالہ و افغانِ عندلیب
گلشن فدائے لذتِ وجدانِ عندلیب

وقفِ چمن بہار مین ہے جانِ عندلیب
اوراقِ گل پہ ثبت ہر اعلانِ عندلیب

لے نالہ تھا یہی سر و سامانِ عندلیب؟
ہے آشیان مین خاک پریشانِ عندلیب

اس پر تو پردہ ڈالدے بڑھکر قبائے گل!
ہے زیرِ شاخ لاشۂ عریانِ عندلیب

اک مشت پر فضائے چمن کو محیط ہے
اُٹھا ہے موجِ گل سے وہ طوفانِ عندلیب

اوراقِ گل ہین زیر و زبر طرزِ لحن سے
اعراب ہو گئے نئے (؟) قرآنِ عندلیب

موقوف بوئے گل پہ ہے اس بینوا کا دم
ہے ایک ہی شمیمِ گل اور جانِ عندلیب

اپنی ہی مشت پر سے نشیمن بنا سکے
اے گل ہو کچھ تو وسعتِ امکانِ عندلیب

بانگِ حزین ہزار کی ہے سازِ صد شکست
سو ٹوٹے دل بنے جب اک افغانِ عندلیب

حسِ بصر لطیف و سماعت لطیف تر
اک پردۂ گل سے شوخ ہو دستانِ عندلیب

اک مشت پر مین بھر دی نوائے جگر گداز
ایجادِ بوئے گل کا ہے الحانِ عندلیب

اُف اُف مزاجِ گل کی یہ زود انقلابیان
ہے ہے وہ طبعِ دیر پشیمانِ عندلیب

اے شاد مین کہان یہ نشیدِ غزل کہان
تھا یہ بھی اک کرشمۂ الحانِ عندلیب،



# بابُ التقریظ و الانتقاد

## مشرقی کتب خانہ بانکی پور
کی

## بارھوین جلد،

مرتبہ: مولوی حاجی معین الدین صاحب مصنف خلفائے راشدین

شائع کردہ: گورنمنٹ پریس پٹنہ،

اس کتب خانہ کی متعدد فہرستون پر معارف کے پچھلے نمبرون مین تبصرہ کیا جاچکا ہے، زیرِ نظر فہرست اسی سلسلہ کی بارھوین کڑی ہے، اس مین عام طبقات و تراجم اور محدثین، صحابہ، صوفیہ، مفسرین، فقہا، اطبا، ادبا، اور شعرا کے حالات اور بغداد، دمشق، اسپین، مصر، یمن، ترکی، حضرموت اور ہندوستان کے مشاہیر و اعیان کے تذکرون مین ۶۶ کتابون کے علاوہ، ہیأت و جغرافیہ اور ایک نجوم البلدان کی کتاب کا تذکرہ ہے،

ان ۴۷، کتابون مین سے ۴، ۲ کتابین خاص اہمیت رکھتی ہین ذیل کی کتابین ان بزرگون کی بدولت اہم ہو گئی ہین جن کے قبضہ یا استعمال مین وہ رہ چکی ہین،

(۱) سمعانی کی کتاب الانساب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے نسخہ سے عکس لیکر گب میموریل نے مسٹر مارگولیتھ کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے، مگر اس کتبخانہ کا نسخہ مولانا احمد کی ملک مین رہ چکا ہے، یہ مولانا احمد جناب مرتب کے نزدیک وہ ملا احمد ہین جن کو ۹۹۶ھ مین فولاد برلاس نے لاہور مین قتل کیا تھا، اسی سنہ مین یہ نسخہ ایک شخص مرزا

محمد محسن سے خرید کر لاہور کے شاہی کتب خانہ مین داخل ہوا، اسپر بہت سے امرائے اکبری کے دستخط بھی ہین

(۲) اس کتاب کا خلاصہ ابو الحسن علی بن محمد بن الاثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ھ نے اللباب کے نام سے کیا تھا، پھر سیوطی نے لب اللباب کے نام سے اس کا دوبارہ خلاصہ کیا، یہ بازکشیدہ بادہ بھی اس کتبخانہ مین ہے، اسکے نسخے اور کتبخانون مین بھی پائے جاتے ہین، لیکن بانکی پور کے نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اسپر دسوین، گیارھوین اور تیرھوین صدی کے معروف علماء کے دستخط ہین،

(۳) نووی کی تہذیب الاسماء والصفات چھپ جانے کے باعث نایاب نہ رہی، اس کا جو نسخہ اس کتبخانہ مین ہے وہ اپنی قدامت تحریر اور آٹھوین اور دسوین صدی کے چند معروف علماء کے استعمال مین رہنے کے باعث بہت زیادہ اہم ہے،

(۴) تین اجزا اس کتبخانہ مین اسد الغابہ کے ہین جنمین سے تیسرے جزء کے آخر مین جو تحریر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیرت حلبیہ کے مصنف کے استعمال مین رہ چکا ہے، اسی عبارت سے پہلے جزء کے متعلق بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اُن کے استعمال مین رہ چکا ہے، پہلے جزء پر کچھ تحریرین اس قسم کی ہین جن کے کاتبون کے نام درج نہین ہین، مگر سرورق پر مدرسہ روضہ نبویہ کے ایک استاد نے سنہ ۱۰۳۰ھ مین یہ لکھا ہے کہ اس نسخہ پر سیرت حلبیہ کے مصنف علی الحلبی کے دستخط ہین اور حافظ سبکی کے حواشی ہین جنکو انھون نے ذہبی، رشاطی، ابن فضل اللہ العمری، حاکم، سمعانی اور دمیاطی کے حوالون سے لکھا ہے،

(۵) ایک جلد ابن ابی یعلی حنبلی کی طبقات الحنابلہ کی ایسی ہے جسمین اسکی نایابی کے علاوہ یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ بھی مختلف علمائے اعلام کے استعمال مین رہ چکی ہے،

(۶) ابن خلکان کی وفیات الاعیان کا ایک نسخہ ایسا ہے جو شاہجہان کے ابتدائی ایام حکومت مین دہلی کے شاہی کتب خانہ مین تھا،

(۷) ایک نسخہ اصابہ کی پہلی جلد کا ہے، جسے الملک الاشرف سیف الدین ابو النصر قایتبی المحمودی



(۸۷۲ھ۔ سنہ ۹۰۱ھ) نے مدرسہ باب السلام (مکہ) کو ہدیہ کیا تھا،

ذیل کی کتابون کی ندرت یہ ہے کہ اُن کے کاتبون کی عظمت نہایت قابل قدر ہے،

(۸) رجال مین ذہبی کی ایک تصنیف الکاشف ہے، اس کا ایک نسخہ اُن کے مشہور شاگرد سبکی کا لکھا ہوا اس کتب خانہ مین موجود ہے جو مصنف کی زندگی مین لکھا گیا،

(۹) علامہ ابن حجر عسقلانی کی تبصیر المنتبہ نایاب ہے، بانکی پور کے نسخہ مین ایک ندرت یہ بھی ہے کہ یہ مصنف کے شاگرد اور فرزند احمد بن علی کا لکھا ہوا ہے،

(۱۰) اسی طرح ابن فہد مکی المتوفی (۸۷۱ھ) کی المعجم کا ایک نسخہ خود مصنف کے فرزند کا لکھا ہوا ہے،

(۱۱) تاریخ ابن عساکر کا ایک نسخہ ایک مشہور محدث محمد بن یوسف البرزالی المتوفی سنہ ۷۳۶ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۱۲) سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ کا ایک نسخہ ان کی وفات سے ۱۳ برس بعد کا لکھا ہوا ہے،

(۱۳) سخاوی کی بغیۃ العلماء والرواۃ کے نسخہ پر دو تین جگہ خود مصنف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے چند اشارات ہین، خط شاطبی کا ہے،

(۱۴) سبحۃ المرجان، مولانا غلام علی آزاد کی خود انھین کے ہاتھون کی لکھی ہوئی موجود ہے،

(۱۵) سخاوی کی الضوء اللامع کے خلاصہ القبس الحاوی کی دو جلدین اس کتب خانہ مین ہین، نایابی کے علاوہ ان نسخون مین یہ ندرت ہے کہ پہلی جلد کو سنہ ۱۰۱۴ء مین عبد الرزاق بن محمود الحریری الحلبی نے مصنف کے خود نوشت نسخہ سے نقل کیا اور دوسری جلد کو عبد الرزاق بن احمد الحریری الحلبی نے سنہ ۱۰۲۳ مین نقل کیا، دونون جلدین آٹھوین، نوین، دسوین صدی کے چند معروف علماء کے استعمال مین رہ چکی ہین،

ان کے علاوہ ذیل کی کتابین بھی نایاب و نادر ہین، تاج الطبقات محمد امین کردی، بہجۃ الاسرار شیخ عبد القادر جیلانی کا تذکرہ، مولفہ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر الشطنوفی، تاریخ نسخ سنہ ۷۸۰ھ، الدر الثمین شیخ محی الدین ابن عربی کی سیرت مین،

اس فہرست کو ہمارے دوست مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی نے ترتیب دیا ہے، اور مسودہ اور تصحیح (پروف) کی بازخوانی مسٹر ای لے ہارن اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد نے کی ہے،

حاجی صاحب ندوہ کے ایک مایۂ ناز فرزند ہین، انھون نے دار المصنفین مین بھی کچھ دنون ہماری رفاقت کی ہے، معارف کی ابتدائی جلدون مین ان کے متعدد مضامین نکلے ہین، وہ ہمارے یہان سے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرستین ترتیب دینے کلکتہ گئے، چند سال وہان یہ کام کرتے رہے، پھر اسی خدمت کے لیے بانکی پور کے کتبخانہ نے ان کو اپنے اسٹاف مین داخل کر لیا، اس فہرست کی ترتیب مین ان کو جو کچھ محنت کرنی پڑی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بہت سے نسخے جن کا اس فہرست مین تذکرہ ہے ناتمام تھے، بعض پر نہ تو مصنف کا نام تھا نہ تصنیف کا، بعض پر غلط نام درج تھے، جلال الدین سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ پر " الفتح القریب" اور "مغنی اللبیب" لکھا ملا، اسی طرح اور کتابون پر بھی غلط اندراجات تھے، مولانا نے نہایت محنت و جانفشانی سے ہر کتاب کے متعلق نہ صرف اس کا اور اس کے مصنف کا نام معلوم کیا، بلکہ انھون نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کتابین کن زمانون مین اور کن حالات کے اندر کن کن کتابون کی مدد سے تیار ہوئین،

جن جن کتابون پر کسی عالم، بادشاہ، امیر یا قابل ذکر بزرگ کے دستخط ہین، انھون نے ان سب کی شخصیتون کو نمایان کیا ہے، اور ان ماخذون کا حوالہ بھی دیا ہے جن سے ان بزرگون کے حالات معلوم ہو سکتے ہین، ہر کتاب کے ذکر کے ساتھ وہ ان مقامات کا بھی پتہ دیتے ہین جہان جہان ان کے اور نسخے پائے جاتے ہین،

عام صورت ترتیب وہی ہے جو پچھلی فہرستون کی ہے لیکن پھر بھی انھون نے جیسا کہ دیباچہ مین مسٹر جے لے جیب مین فرماتے ہین، اس فہرست کی ترتیب مین انھون نے "اپنی مستثنیٰ قابلیت کا ثبوت دیا ہے"، ہر کتاب کا تذکرہ ایک مختصر تبصرہ ہے، جس مین اس کتاب کی تمام ندرتون اور معنوی خوبیون کی روح اتر آئی ہے،

یہ فہرستین انگریزی مین لکھی جا رہی ہین، اور یہ جلد بھی انگریزی ہی زبان مین ہے، لیکن لوگون کو یہ جانکر تعجب ہوگا کہ اس کا لکھنے والا وہ شخص ہے جو ایک دن بھی کسی انگریزی اسکول مین نہین گیا، اس قسم کی کتابون کی فہرست اور تلاش و تحقیق عموماً یورپ کی مشرقی تعلیم کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے، مگر اس کے مؤلف نے دار العلوم ندوہ اور دار المصنفین کے سوا ایک قدم بھی باہر نہین نکالا، ایسی صورت مین کیا اس کے تسلیم کرنے مین عذر ہو سکتا ہے کہ قدیم تعلیم مین جدت کا ذرا رنگ پیدا کر دیا جائے تو

دیگران نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد،

موصوف نے انگریزی خود دار العلوم مین پڑھی، اور اس کے بعد ذاتی مطالعہ اور مشق جاری رکھکر اپنی لیاقت بڑھائی، اور اس قابل ہوئے کہ وہ بے تکلف علمی تاریخ پر اس زبان مین قلم اٹھا سکین، یہ بھی اتفاق ہے کہ ۱۲ برس کی خاموشی کے بعد ایک ہی سال مین ان کی دو کتابین دو جگہ سے شائع ہوئین، فہرست کتب خانہ گورنمنٹ پریس پٹنہ سے اور خلفائے راشدینؓ دار المصنفین سے، اور بحمد اللہ کہ دونون نے قبولیت حاصل کی، ہم اس سعادت علمی پر اپنے دوست کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہین،

"ج"

## دنیاے افسانہ

جامعہ عثمانیہ کے فرزندون کے کارنامے ہر روز اس بات کا نیا ثبوت پیش کرتے ہین، کہ مادری زبان مین تعلیم ملک کی علمی و تعلیمی و ادبی ترقیون کے لیے کس درجہ ضروری ہے، وہ کام جو ہندوستان کی انگریزی زبان کی تعلیم نے ایک صدی مین کیا ہے، وہ جامعہ عثمانیہ کی مادری زبان مین تعلیم نے چند سال مین کر کے دکھا دیا ہے، اس وقت اس قابلِ عزت جامعہ کے ایک نوجوان فرزند مولوی محمد عبد القادر صاحب سروری بی لے (عثمانیہ) کی ایک تصنیف دنیاے افسانہ ہمارے سامنے ہے،

اس کتاب کا موضوع فنِ قصص و حکایات پر ایک تنقیدی تبصرہ اور نظر ہے، اور اسی کے ضمن مین اس فن کی مختلف شاخون اور شعبون کی تدریجی ترقی، تاریخی دور اور ادبی ارتقا کو بیان کیا ہے اور ساتھ ساتھ اردو زبان مین اس فن کی مختلف شاخون اور شعبون نے جس حد تک ترقی کی ہے، ان کی تفصیل کی ہے، اور اردو کے قصہ نگارون

افسانہ نویسون، اور لطیف البیان انشا پردازون کا باہمی مقابلہ اور موازنہ اور ان کے قلمی کارنامون پر تبصرہ کیا ہے،

ہمارے خیال مین، ہماری زبان مین یہ اپنے فن کی پہلی کتاب ہے جسمین اس فن کی حقیقت، خصوصیات، تاریخ، تنقید اور موازنہ پر ایک فن کی حیثیت سے بحث کیگئی، جس طرح اردو نظم و شاعری پر مولانا حالی کا مقدمہ، شعری تنقید پر ہماری زبان مین پہلی کتاب ہے، اسی طرح نثر افسانون کی فنی تنقید پر یہ ہماری زبان کی پہلی کتاب ہے، اور اس لئے بیحد قدر کے لائق ہے،

یہ کتاب چھوٹے چھوٹے بیس حسب ذیل بابون پر منقسم ہے، افسانون کی اہمیت، فنون لطیفہ اور افسانہ، افسانون کی پیدائش، حقیقت اور افسانہ، افسانون کی قسمین، افسانہ کا ارتقار، ناول کی پیدائش، ناول کا موضوع، ناول کے عناصر، ناول کے مناظر، اعلیٰ ناول کی خصوصیات، ناول نگار کے فرائض، مختصر قصے، مختصر قصون کا فن، اردو زبان اور افسانے، ابتدائی دور کے افسانے، فورٹ ولیم کالج کی کوششین، اردو ناول، اردو مختصر افسانے، اردو افسانون کا مستقبل؛

ان ابواب پر ایک نظر ڈالنے سے پوری کتاب کا "افسانہ" سمجھ مین آجاتا ہے، اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مصنف نے اس حد تک استیعاب اور استقصاء سے کام لیا ہے جس حد تک کسی فن کی پہلی کتاب مین کسی زبان مین کیا جاسکتا ہے، مصنف کا طرز بیان البتہ کسی قدر الجھا سا ہے، فقرے بھی بڑے بڑے ہین، اور مستقل تصنیف کے بجائے "ترجمیت" اور غیر زبان کے خیالات ادا کرنے کا رنگ زیادہ نمایان ہو گیا ہے، اردو زبان کے فسانہ نگارون، اور لطیف الانشاء ادیبون کے باہمی موازنہ اور ان کے کارنامون پر نقد و تبصرہ بھی اس سے زیادہ تفصیل کا طالب ہے جتنا کچھ لکھا گیا ہے، اس سے ان کا عیب و ہنر پوری طرح ظاہر نہین ہوتا، خصوصاً قصہ کی حیثیت کو چھوڑ کر، نفس ادب و انشاء پر گویا کچھ نہین لکھا گیا ہے اگر کہین کہین کچھ منہ سے نکل آیا ہے تو وہ بھی نہایت دبی ہوئی آواز مین ہے، یہ شاید اس لیے ہو کہ مصنف نے ابھی ان اردو انشاپردازون کے عہد آغاز کو اس سے زیادہ تنقید کے بار کا متحمل نہین سمجھا،



ہماری زبان مین ادبی مختصر افسانون کا رواج عجیب بات ہے کہ انگریزی یا یورپ کی کسی زبان کے ذریعہ سے براہ راست نہین، بلکہ ترکی زبان کے ذریعہ سے ہوا ہے، اور یقیناً اس صنف انشاء کے اردو مین پیش کرنے کی عزت سب سے پہلے ہمارے ترکی دان ادیب سید سجاد حیدر صاحب (المتخلص فی النثریہ "یلدرم") کو حاصل ہے، منشی پریم چند اس حیثیت سے مختصر افسانون کی بارگاہ مین پہلی کرسی کے مستحق ہین کہ انھون نے ہم کو ادبی اور جذباتی تخیل کے بجائے اپنے ہی ملک کے واقعاتی حالات سے باخبر کیا، سدرشن پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ شاید سدرشن کو پڑھکر نہین لکھا گیا، ابھی ان کو اس فہرست مین داخل کرنے کے لیے صبر و انتظار کی تلقین کی ضرورت تھی، نیاز کی اولیت یہ ہے کہ انھون نے اردو دانون کو سب سے پہلی دفعہ یونانی صنمیات کا جلوہ مستعار دکھایا ہے، تاہم انھون نے اس استعارہ مین جس قوت تحریر، حسن بیان اور دلکشی کا ثبوت پیش کیا وہ سزاوار تعریف ہے، لیکن اسی کے ساتھ جدت ترکیب، اور لطیف انشا کی جو وہ حقیقت سمجھے، وہ صحیح نہ تھی، اور اس لیے وہ بہتیرون کی ٹھوکر کا باعث ہوئے،

یہ تعجب ہے کہ مصنف نے اس سلسلہ مین تاجؔ اور سلطان حیدر جوشؔ کے نام بھلا دیے، حالانکہ وہ بھی اپنے ہمعصرون مین سب سے پیچھے نہین ہین، اسی طرح چند اور ارباب قلم بھی ہمت افزائی کے لائق تھے،

بااین ہمہ یہ کتاب ہماری زبان مین تعریف و توصیف کی مستحق ہے، اور امید ہے کہ اس سے ہماری تصنیفات کے سلسلہ مین ایک نئی کڑی کا اضافہ ہوگا، اور ایک نیا شعبۂ ادب آیندہ وجود مین آئے گا، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، تقطیع چھوٹی، صفحات ۱۹۱ صفحے آخر مین نامون کا اشاریہ (انڈکس) قیمت عہ، پتہ:- مکتبۂ ابراہیمیہ اتحادی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

## الابحاث السیئۃ عن المقالات المرضیۃ

مولانا عبد البر صاحب عظیم آبادی مرحوم نے ایک رسالہ مقالۂ مرضیہ مین مختلف احادیث و اقوال سے ثابت کیا تھا کہ ایک بکری کی قربانی مین صاحب خانہ اور اس کے گھر کے تمام لوگ شریک ہو سکتے ہین، مولانا ابو المکارم محمد علی صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ مین اسی دعویٰ کی تغلیط بعض احادیث کی تغلیط کر کے کرنی چاہی ہے، مولانا نے جواب مین جو کچھ لکھا ہے اس کو قطعی طور پر مسکت نہین کہا جا سکتا، جواب کا جو طرز استدلال ہے وہ بھی عجیب ہے، مثلاً زیلعی نے

عبداللہ بن ہشام کی ایک حدیث مرفوعاً روایت کی ہے، اس کو مولانا ابن حجر کے قول کے مطابق مرفوع سے موقوف ثابت کرتے ہیں، اور پھر چونکہ وہ مرفوع سے موقوف ہوگئی اس لیے فرماتے ہیں "تضحیہ بشاۃ واحد عن جمیع اہلہ" عبداللہ بن ہشام کا "فعل" ہے، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (ص ۹) معلوم نہیں کسی حدیث کے مرفوع سے موقوف ہوجانے پر انتساب فعل کیونکر بدل سکتا ہے، جبکہ ان کی حدیث میں صاف الفاظ ہیں عبد اللہ بن ہشام قال کان النبی صلعم یضحی بالشاۃ الواحدۃ عن جمیع اہلہ مولانا کے لفظ "فعل" کو کتابت کی غلطی سمجھ کر "قول" بھی نہیں بنا سکتے کہ تصریح موجود ہے، "جب قول حجت نہیں تو فعل بھی حجت نہیں ہو سکتا" اسی طرح مولانا نے ایک موقع پر امام ترمذی پر یہ عجیب تنقید فرمائی، انھوں نے "ان الشاۃ تجزی عن اہل البیت" کا باب باندھ کر ایک حدیث نقل کی ہے، اور اس کے تحت میں لکھتے ہیں "بعض اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے اور احمد و اسحاق کا یہی مسلک ہے" اس پر مولانا نے ایک دوسری عبارت پیش فرمائی ہے، جس میں دکھایا گیا ہے کہ یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے، اور پھر اس عبارت سے مولانا یہ استنباط فرماتے ہیں کہ "جب جمہور کا یہ مذہب نہیں تو امام احمد، امام اسحاق کا یہ مذہب نہیں ٹھہر سکتا، اس لیے کہ امام احمد اور امام اسحاق جمہور سے خارج نہیں، اور جب امام احمد اور امام اسحاق جمہور سے خارج نہیں تو یہ انتساب امام ترمذی کا بجانب امام احمد و امام اسحاق ہرگز صحیح نہیں یہ امام ترمذی کی ایک غلطی ہے" (ص ۱۰) لیکن یہ طرز استدلال اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا سراسر مغالطہ ہے، اصل یہ ہے کہ نفس ایک بکری کا ایک جماعت کی طرف سے قربانی کرنے کا جواز، اور ایک بکری کی قربانی کا ایک شخص پر واجب ہونا اور جماعت کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کر دینے سے اس وجوب کا ادا ہو جانا، اپنی اپنی جگہ دو مستقل مبحث ہیں، جناب مجیب کو ان دونوں مباحث پر جداگانہ بحث کرنی چاہیے تھی اس طرح وہ ایک واضح مسلک پیش کر سکتے، اور پھر ان کو اکثر حدیثوں کی تضعیف کی ضرورت بھی پیش نہ آتی، رسالہ کی عام زبان متلق ہے، حجم ۴۱ صفحے لکھائی چھپائی خاصی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت درج نہیں، جناب مؤلف سے مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ کے پتہ پر رسالہ مل سکتا ہے،





# مطبوعات جدیدہ

**حکایات و احتساسات**، سید سجاد حیدر صاحب بی اے رجسٹرار مسلم یونیورسٹی کے مختصر افسانوں اور مضامین کا یہ دوسرا مجموعہ ہے، جو مسلم یونیورسٹی کے مطبع سے کہکشان لاہور کے سلسلۂ مطبوعات میں پہلی دفعہ شائع ہوا ہے، سید سجاد حیدر صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہماری زبان میں ترکی ادب لطیف کے نغمے سنائے، اور انکی تقلید میں خود بھی اپنے طبع نفاست پسند سے اپنی زبان میں نئے راگ اور سرود پیدا کیے، ان کی لطیف انشاپردازی میں اگر کوئی عیب ہے تو یہ ہے کہ عربی فارسی الفاظ کو وہ نئے سکے جو ترکی ادیبوں نے اپنے ترکی دار الضرب میں ڈھالے ہیں ان کو وہ اردو بازاروں میں بھی رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں، پیش نظر تین قسم کے افسانوں اور مضامین کا مجموعہ ہے، بڑا حصہ خالدہ خانم ادیب ترکی انشاپرداز خاتون کے خیالات کا ترجمہ ہے، دوسرا حصہ دوسرے ترکی ادیبوں کے مضامین کا عکس ہے، اور تیسرا حصہ خود مصنف کے طبع زاد ہیں، کتاب کی تقسیم حکایات اور احتساسات دو حصوں پر کیگئی ہے، مگر ان دونوں حصوں کی علیحدگی اور تقسیم کی کوئی صحیح توجیہ نہیں معلوم ہوتی، نہ تو کوئی معنوی فرق ظاہر ہوتا ہے، اور نہ ظاہری، کم از کم یہ کیا جاتا ہے کہ تراجم و ماخوذات الگ، اور طبع زاد الگ کر دیئے گئے، یا اور کوئی وجہ تقسیم قرار پاتی، اس مجموعہ میں مصنف کے قلم کی گلکاریاں ہر طرح تعریف کی مستحق ہیں، فصاحت و بلاغت کے پھول کہیں کہیں ثقالت ترکیب کے کانٹوں میں بھی الجھے ہوئے ہیں، زیر نظر مجموعہ میں سب سے زیادہ فصیح، انشاپردازانہ، دلنشین اور موثر تحریر ز، خ، ش کا ماتم ہے۔

لکھائی چھپائی، کاغذ اعلی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت عہ، پتہ:- مسلم یونیورسٹی بکڈپو، علی گڈھ، دار الاشاعت پنجاب، ۱۹۵ ریلوے روڈ لاہور،

**طفل اشک**، مولوی محمد محسن صاحب صدیقی بی اے (علیگ) نے طفل اشک کے نام سے غالباً کسی

انگریزی ناول (مترجم نے نام نہین بتایا) کا ترجمہ شاید کسی قدر تصرف کے ساتھ اردو مین کیا ہے، مترجم نے دیباچہ مین اپنی غرض وغایت بیان کی ہے، وہ یقیناً نہایت بلند اعلیٰ اور مفید ہے، ہندوستان مین مردون مین زیادہ اور ابھی عورتون مین کم یورپی تمدن کی نقالی اور تقلید کا مرض عام ہو رہا ہے، لیکن اس سلسلہ مین سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم یورپی تمدن کے محض ظواہر اور اوپری زندگی کی نقل کرتے ہین، اور اسکی معنوی اور جوہری زندگی کے مناظر ہماری آنکھون سے اوجھل رہتے ہین، مترجم نے یہ کوشش کی ہے کہ یورپی تمدن کے اعلیٰ اخلاقی، اور جوہری تمدن کو اپنے ہم ملک بھائیون اور خصوصاً بہنون کے سامنے پیش کرین، تاکہ انھین معلوم ہو کہ یورپ سے کیا لینے اور کیا سیکھنے کی ضرورت ہے، قصہ دلچسپ، عبارت سہل وصاف، اور مضامین وخیالات عمدہ اور اعلیٰ ہین، اور اس لائق ہین کہ شریف گھرانون کی تعلیم یافتہ خواتین ان کو پڑھین اور سمجھین، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، تقطیع درمیانی ضخامت ۴۰۰، قیمت ہے، پتہ: دار الکتب رہبر افضل گنج، حیدرآباد دکن،

سیرت باقی، اس نام سے جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی مدیر پیشوا دہلی نے، حضرت خواجہ باقی باللہ خواجہ رضی الدین دہلوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھے ہین، اور اسکی تالیف مین مختلف قلمی اور مطبوعہ کتابون سے مدد لی ہے، عبارت صاف و روان ہے، سوانح کی ترتیب مناسب ہے، آخر مین خواجہ صاحب کی تفسیر اور بعض مکتوبات کے ترجمے ہین، اور پھر بعض کرامات کا ذکر ہے، مصنف نے خواجہ صاحب کے حالات کے ساتھ ساتھ، ان کے ظاہری وباطنی کمالات، اور ان کے اعمال واشغال اور صوفیانہ تعلیمات بھی لکھے ہین، اس کتاب کو پڑھکر ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہین کہ ظاہر کی باتین اہل ظاہر بھی کہہ سکتے ہین، مگر باطن کی باتین کہنے کے لیے اہل باطن ہونے کی ضرورت ہے، کتنا اچھا ہوتا، اگر اسی بزرگ انسان کے مقدس سوانح کے ساتھ ساتھ حافظ صاحب اپنی تصویر شائع نہ فرماتے، آغاز کلام مین حضرت مجدد صاحب اور مجددیون کی نسبت جو کچھ الزام قائم کیا گیا ہے، اور جو نوک جھونک کی باتین لکھی گئی ہین، وہ بزرگون کے مرتبہ سے کمتر ہین، لکھائی چھپائی کاغذ پسندیدہ، ضخامت ۱۱۶ صفحے قیمت ۱۲/ پتہ:- منیجر رسالہ پیشوا، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۵ دہلی،



# اعلان

جامعہ ملیہ کا "شعبہ تصنیف وتالیف" جدید انتظام کے بعد "اردو اکادمی" کہلاتا ہے، "اکادمی" کا مقصد یہ ہے کہ اردو زبان مین مختلف علوم وفنون پر مستند کتابین لکھوا کر شائع کرے، ابتک یورپ کی مختلف زبانون سے بہترین کتابون کے چند تراجم اور متعدد اور بخیل تصانیف شائع ہو چکی ہین، آیندہ کے لیے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ کم سے کم چھ نئی کتابین ہر سال لکھی جائین، "اکادمی" نے اپنے قدردانون کی آسانی اور اپنے فائدے کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ طے کیا ہے کہ جو حضرات للعہ روپیہ سال اکادمی کو عطا فرمائین وہ اس کے رکن قرار دیئے جائین اور ان کی خدمت مین رسالہ "جامعہ" اور "اکادمی" کی سال بھر کی جملہ مطبوعات نذر کے طور پر پیش کیجائین،

زر چندہ کی وصولی کا یہ طریقہ ہے کہ ہر سہ ماہی کے شروع مین ۳ کا وی پی بھیجا جائے گا، اس کے وصول ہونے پر ہر رکن کے نام رسالہ "جامعہ" ماہوار بھیجا جائے گا اور "اکادمی" کی جو کتاب تیار ہو گی وہ فوراً روانہ کیجائے گی، اگر کسی سہ ماہی مین وی پی وصول نہ کیا گیا اور واپسی کے بعد پندرہ دن کے اندر زر چندہ کسی ذریعہ سے نہ پہنچا تو مجبوراً رسالہ جامعہ اور کتابون کی روانگی بند کر دیجائے گی،

اس کا خیال رکھا جائے گا کہ رسالہ جامعہ اور سال بھر کی مطبوعات کی مجموعی قیمت للعہ سے کم نہ ہو، اس کے علاوہ پندرہ روزہ رسالہ "پیام تعلیم" جس کی سالانہ قیمت عمر ہے تحفۃً ہر رکن کی خدمت مین حاضر ہو گا، جو صاحبان شرائط بالا "اکادمی" کا ممبر بننا منظور فرمائین وہ اپنا نام مع پورے پتہ کے مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائین،

ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی، ایچ ڈی،

ناظم اردو اکادمی، جامعہ ملیہ قرول باغ، دہلی

احمد الیاس مجیبی

# نسوانی دنیا کو مژدہ

## یعنی رسالۂ نورجہان کا معرکۃ الآرا سالانہ نمبر،

جو محض عورتون ہی کی خالص کوشش سے پونے دو سو صفحات کی ضخیم، شاندار اور باتصویر لطیف ادبی کتاب کی صورت مین ابھی ابھی شائع ہوا ہے، اس رسالہ کی ایڈیٹر، منیجر، اسسٹنٹ منیجر اور کلرک سب عورتین ہین، جو نہایت قابلیت سے تمام امور متعلقہ کو انجام دے رہی ہین، اس سالانہ نمبر مین مشہور شاعر و ادیب خواتینِ ہند کی گران پایہ نظمین اور مضامین اور افسانے ہین، علاوہ ازین ملک کے مشہور اور ہر دلعزیز ادیب و شاعر بھائیون کی نظم و نثر مضامین بھی اس مین موجود ہین نصیحت آموز، عبرت انگیز اور روحِ عمل کو بیدار کرنے والے ضمیر کو مضبوط تر بنانے والے دلچسپ و دلکش افسانے بھی ہین، غرضکہ یہ نسوانی رسالہ جو حقیقی معنون مین نسوانی ہے ہندوستان کے موجودہ گران قدر مردانہ رسائل سے کسی طرح کم دلچسپ نہین ہے، جنسِ اناث کے لئے تو ایک بیش بہا تحفہ ہے، لیکن مرد بھی اُسے ہاتھون ہاتھ خرید رہے ہین، قیمت سالانہ نمبر ایک روپیہ ۸؍ لیکن اگر آپ چار روپیہ کا منی آرڈر کر دین تو علاوہ اس سالانہ نمبر کے سال بھر رسالۂ نورجہان آپ کو انھین چار روپیون مین مل سکتا ہے،

**منیجر رسالۂ نورجہان مظہر منزل امرتسر**

# پیامِ تعلیم

تعلیم کا شعبہ ایک ایسا شعبہ ہے جس کی طرف لوگ بہت کم توجہ کرتے ہین، حالانکہ اس سے سابقہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ ہو یا شاگرد، بزرگ ہو یا خورد، کم و بیش ہر ایک سے پڑتا ہے چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ تعلیمی رسالہ نکالا گیا ہے جو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ہر پندرھوین روز شائع ہوتا ہے، اس مین تعلیم سے متعلق جملہ مباحث پر نہایت عمدہ اور مفید مضامین ہوتے ہین، اکثر نظمین بھی نکلتے ہین، ایک حصہ بچون کیلئے مخصوص ہوتا ہے، یہ پرچہ ۲۲×۱۸ کے ۱۲ صفحون پر مہینہ مین دو بار نکلتا ہے، اور اکثر عکسی اور دستی تصویرین بھی شائع کرتا رہتا ہے، پھر بھی چندہ سالانہ صرف ۱۲؍ رکھا گیا ہے، ملنے کا پتہ:- منیجر "پیام تعلیم" قرول باغ، دہلی

مجلد بست و یکم | ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۲۸ء | عدد ۳

## مضامین